محاربۂ کربلا

مصنفہ

سرکار شریعتمدار حجۃ الاسلام سید العلماء
مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ

مطبوعہ یوسفی برقی پریس لکھنؤ

امامیہ مشن لکھنؤ کی سینتیسویں دینی خدمت

محاربۂ کربلا

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ امامیہ مشن کے قیام کو چار سال پورے ہو گئے۔ پہلا رسالہ اسکا شہید کربلا ہی کا نام لیتا ہوا نکلا تھا اور پھر یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ ہر سال محرم کے موقع پر اردو، انگریزی، ہندی میں تین رسالے واقعات کربلا کی نسبت شائع کئے جائیں چنانچہ اسی صورت سے اسکی بھی امام حسین علیہ السلام کے نام سے مشن کے دور تنظیم کی ابتدا کی جاتی ہے۔

یہ رسالہ ایک کڑی ہے اس سلسلہ کی جس کا پہلا حصہ "مجاہدۂ کربلا" اور دوسرا "معرکۂ کربلا" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور اب یہ تیسرا حصہ ہے جو "محاربۂ کربلا" کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ تمام ارباب مذاہب اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد بلا تفریق مذہب و ملت اس کتاب کا مطالعہ فرمائینگے اور حضرات شیعہ اسکے زیادہ سے زیادہ نسخے خرید فرما کر غیر مذاہب میں بلا قیمت تقسیم فرمائینگے۔ والسلام

خادم مذہب
سید محمد رضا نقوی آنریری سکریٹری
امامیہ مشن مفتی گنج لکھنؤ

(محرم ۱۳۵۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید النبیین
وآلہ الطاہرین :-

"مجاہدہ کربلا" کا سلسلہ "معرکہ کربلا" تک پہونچا اور گذشتہ سال آغاز جنگ تک کے واقعات حوالۂ قلم کئے گئے۔ اب وقت آیا ہے کہ تیسرا حصہ "محاربۂ کربلا" کے نام سے پیش کیا جائے۔ توفیق خدا کے فضل ہی سے البتہ ہے اور وہی قبول فرمانے والا ہے۔

پہلا باب

جنگ کا آغاز

"گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی لگایا ہے" یہ الفاظ سپہ سالار لشکر کی زبان پر جاری ہوتے ہوئے تیر رہا کیا جائے اور پھر تمام فوج میں سکون رہا!

یقیناً ہزاروں کمانیں کڑکیں، ہزاروں چلّے کھنچے اور ہزاروں تیر روانہ ہو گئے۔ سچ کہتا ہوں کہ تیروں کا حملہ بہادری کی نشانی نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ کی جنگ جو آتشیں اسلحہ کی بنیاد پر ہے جس طرح بزدلانہ حیثیت رکھتی ہے، ایسے ہی سابق زمانہ کی تیروں کی بارش، کیا شرم کی بات نہیں۔ ایک ایسی قلیل تعداد جو کسی سو تک بھی نہ پہونچی ہوئی ہو اس پر حملہ ہو۔ اس بڑی فوج کی طرف سے جو تیس ہزار سے کم ہرگز نہ ہو اور پھر تیروں کے بے پناہ باران سے ابتدا کی جائے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ حسین بن علیؑ کی قلیل فوج اس اچانک حملہ کے مقابلہ کیلئے کس حد تک آمادہ تھی!

مگر نہیں۔ انھیں آمادگی کی ضرورت نہ تھی۔ انکے تنے ہوئے سینے تیروں کی استقبال کیلئے موجود تھے اور ان کے دل و جگر شہادت کے اشتیاق میں ناوکوں کو ہاتھوں ہاتھ لینے پر تیار۔

یزیدی لشکر والوں کو اندازہ تھا اور یقینی حیثیت سے اندازہ کہ اگر حسینی لشکر سے وہ کتنا ہی مختصر سہی دست بدست مقابلہ کیا جائے تو کربلا کی تاریخ صرف عاشورا کے دن پر ختم نہیں ہو سکتی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ دیر ہونا ان کے مقصد کیلئے انتہائی اندیشہ کا باعث ہے۔ انھیں خوب معلوم تھا کہ امام کے

خطوط بصرہ بھی گئے ہوئے ہیں اور وہاں سے مدد پہونچنے کی توقع ہے۔ کوفہ کے بھی بہت سے لوگ جو مسلم کے مددگار رہتے فضا کے بدل جانے اور حکومت کے ظلم و استبداد قائم ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ گوشوں میں چھپ گئے ہیں مگر موقع کے منتظر ہیں اور نصرت حسینؑ کیلئے بے چین ہیں۔ یہ بھی خطرہ کچھ دور نہیں تھا کہ ایران نزدیک ہے اور وہاں کے لوگوں کو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ عقیدت کا ہونا ممکن ہے خصوصاً جبکہ آپکے ساتھ زین العابدین بھی موجود ہیں جو ننھیالی رشتہ سے ایرانی ملک کے شاہزادہ ہیں اور اس لئے بہت امکان ہے کہ قومی تعصب بھی ایرانیوں کو اُنکی حمایت پر آمادہ کر دے۔ یہ بھی خیال ہو سکتا تھا کہ نجد کے پہاڑ (اجا و سلمی) بہت زیادہ فاصلہ پر نہیں ہیں جہاں کا "طے" ایک پر طاقت قبیلہ ہے اور طرماح بن عدی امام حسینؑ سے وعدہ کر چکے ہیں کہ اگر آپ وہاں پہونچ جائیں تو آپ کی مدد کیلئے ہزاروں جوان قبیلۂ طے کے ابھی زرہ پوش ہو سکتے ہیں"۔

انہی اسباب سے جلدی تھی اور بہت جلدی معلوم ہوتا تھا کہ مقابل میں فوج ہے اور بہت بڑی فوج۔ جنگ ہو گی اور مکمل جنگ، تیر اندازی اور ہزاروں تیروں کی بارش۔

ماضی اور پھر تیرہ سو برس گذشتہ کے ماضی میں واقعات کے سمجھنے اور اُن کے

ترتیب دینے میں اگر غلطی ہو تو کچھ قابل تعجب نہیں ہے۔

علامہ مجلسی ایسے وسیع النظر انسان کو اس مقام پر دھوکا ہوا ہے اور بہت سخت دھوکا کہ انھوں نے لکھا ہے:۔

فلما رموهم هذه الرمية قل اصحاب الحسين وقتل في هذه الحملة خمسون رجلا.

جب یہ تیروں کی بارش ہوئی تو اصحاب حضرت سید الشہدا کی تعداد بہت گھٹ گئی اور اس حملہ میں پچاس آدمی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں "حملۂ اولیٰ" (پہلے حملہ) کے نام سے ایک خونریز حملہ کا تذکرہ ہے جس میں اصحاب حضرت امام حسین ع میں سے پچاس آدمی شہید ہوئے تھے۔ مجلسی یا انکے پہلے محمد بن ابی طالب کو جن سے مجلسی نے یہ مضمون نقل کیا ہے یہ شبہہ ہوا کہ "حملۂ اولیٰ" سے مراد وہی تیروں کا حملہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ "حملۂ اولیٰ" سے مراد وہ حملہ ہے جو ظہر سے ایک گھنٹہ پہلے ہوا تھا جس میں بہت بڑی مخالف فوج نے بہت قریب آ کر حسینی ع لشکر کی مختصر جماعت پر حملہ کیا تھا جس کا تذکرہ اسکے بعد آئیگا۔

تیروں کی اس ابتدائی بارش کا کوئی خاص اثر فوج حسینی پر سوائے اسکے نہیں ظاہر ہوا کہ وہ انکے لئے پیغام جنگ ثابت ہوا۔ امام حجت

پورے طور سے تمام کر چکے تھے اور اب بھی ایک حجت باقی تھی کہ ابتدا جنگ کی دشمن کی طرف سے ہو جائے چنانچہ وہ بھی ہو گئی۔ کوئی ہراس نہیں، کوئی اضطراب نہیں، امام نے اپنے اصحاب سے فرمایا قوموا رحمکم اللّٰہ الی الموت الذی لابد منہ فان ھٰذہ السہام رسل القوم الیکم کھڑے ہو جاؤ خدا رحمت نازل کرے تم پر۔ موت کے استقبال کو جو بہر حال ضروری ہے یہ تیر نہیں ہیں بلکہ قاصد ہیں دشمن کے جو تمہاری طرف روانہ کیے گئے ہیں اصحاب حسینؑ بھی جنگ پر آمادہ ہو گئے اور انھوں نے بھی تیروں کا جواب تیروں کے ساتھ دیا۔

لڑائی تو اب باقاعدہ چھڑ ہی گئی تھی۔ فوج شام میں سے دو غلام ایک یسار غلام زیاد بن ابیہ اور ایک سالم غلام عبیداللہ بن زیاد میدان جنگ میں آئے اور انھوں نے مبارز طلب کیا۔ فوج حسینیؑ میں سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن خضیر جوش میں بھرے ہوئے آگے بڑھے مگر امامؑ نے ان کو روکدیا۔ عبداللہ بن عمیر کلبی نے اجازت مانگی۔ یہ بہادر اپنی بیوی ام وہب بنت عبد کے ساتھ کربلا میں آیا ہوا تھا۔ اُس نے کھڑے ہو کر اجازت جنگ مانگی۔ حضرت نے سر سے پیر تک اُس کا حلیہ دیکھا گندمی رنگ لانبا قد۔ مضبوط کلائیاں اور بازو۔ چوڑی پشت اور سینہ، حضرت نے فرمایا بہادر و جنگ

آزما جوان معلوم ہوتا ہے۔ جا اگر تیرا دل چاہتا ہے بشیر دل جوان میدان جنگ میں آگیا۔ دونوں نے نام ونسب پوچھا معلوم ہوا، کہا ہم تم کو نہیں پہچانتے۔ ہمارے مقابلہ میں زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہیئے۔ عبداللہ کو غصہ آگیا اور حملہ کیا۔ پہلے ہی وار میں بسار کا کام تمام کر دیا۔ عبداللہ اس طرف متوجہ ہوئے تھے کہ سالم نے تلوار کا وار کیا تلوار سر پر آچکی تھی کہ خبر ہوئی بہادر نے بائیں ہاتھ کو سپر بنا دیا۔ تلوار نے انگلیاں بائیں ہاتھ کی قطع کر دیں عبداللہ نے اتنی دیر میں پلٹ کر ایک ضرب شمشیر میں اس کا بھی خاتمہ کیا۔ اور جوش میں یہ رجز پڑھنا شروع کر دی

ان تنکرونی فانا ابن کلب	حسبی ببیتی فی علیم حسبی
انّی امرؤ ذو مرّۃ و عضب	ولست بالخوّار عند النکب
انّی زعیم لک امّ وھب	بالطعن فیھم مقدماً والضرب

ضرب غلام مؤمن بالرّبّ

اگر مجھے نہ جانتے ہو تو پہچان لو کہ میں کلب کا فرزند ہوں۔ میرے حسب و نسب کیلئے اتنا کافی ہے کہ قبیلۂ علیم میں میرا گھرانا ہے۔ میں ایک سخت مزاج درشت خصلت انسان ہوں اور مصیبت کے وقت کمزوری اختیار کرنیوالا نہیں ہوں۔ اے ام وہب میں ذمہ داری کرتا ہوں تم سے کہ ان میں بڑھ بڑھ کر نیزہ لگاؤں گا اور تلوار میں ماروں گا۔ اس طرح کی شمشیر زنی

جو حسد ابرا یمان رکھنے والے جواں ہمت انسان کو کرنا چاہیے۔

معلوم نہیں، ان اشعار میں کونسا جوش انگیز اثر تھا کہ ام وہب زوجہ عبداللہ بن عمیر کے دل میں طوفانی تلاطم برپا ہو گیا اور ایک عمود خیمہ ہاتھ میں لیکر میدان میں یہ کہتی ہوئی آگئی۔

فداك ابی وامی قاتل	میرے باپ اور ماں تم پر نثار پاک و
دون الطیبین ذریة	پاکیزہ اولاد رسولؐ کی امداد میں کمی
محمد۔	نہ کرو جنگ جاری رکھو۔

عبداللہ بن عمیر کو اس ناگہانی صورت سے انتہائی تکلیف محسوس ہوئی۔ زوجہ کے پاس آ کر چاہا کہ سراپردہ حسینیؑ کی طرف واپس پہونچا دیں مگر عورت اپنی چادر عبداللہ کے ہاتھوں سے چھڑانے لگی اور کہنے لگی کہ انی لن ادعك حتی اموت معاك "میں تمھیں چھوڑ کے جاؤں گی نہیں جب تک تمھارے ساتھ میں بھی قتل نہ ہوں"۔

امام حسینؑ نے جو یہ دیکھا آواز دی "خدا تم زن و شوہر کو جزائے خیر دے، اے مومنہ واپس چلی آ (خدا تجھ پر رحمت نازل کرے) عورتوں کی طرف، اور ان کے ساتھ گھر میں بیٹھ جا کیونکہ عورتوں کو جہاد کا حکم نہیں ہے"۔ امام کے حکم کا اثر لیا اور وہ مومنہ خیمۂ اہل حرم میں واپس آگئی۔

عمرو بن حجاج نے جو میمنۂ فوج پر تھا حسینی فوج کے میسرہ پر حملہ کیا جب وہ لوگ قریب پہونچے تو ان بہادروں نے گھٹنے اپنے زمین پر ٹیک دئے اور نیزے سیدھے تان لئے۔ دشمن کے گھوڑے نیزوں کی باڑھیں دیکھکر اپنی جگہ ٹھہر گئے اور آگے نہ بڑھ سکے جب وہ لوگ واپس ہونے لگے اور رخ اپنا دوسری طرف پھیرا تو انھوں نے تیروں کی بارش کر دی، اس سے چند آدمی اُنہیں کے قتل ہوئے اور چند زخمی ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں سید الشہدا اور اُن کے اصحاب نے فن سپہ گری کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اتنی چھوٹی فوج اور وہ اتنی بڑی فوج سے برسرپیکار رہے اور اُس میں اتنا طویل وقت صرف ہو سکے۔

حر بن یزید ریاحی نے جو فوج حسینی کی طرف منتقل ہو چکے تھے خدمت امام میں آکر عرض کیا

یا ابن رسول اللہ کنت اول	فرزند رسولؐ میں سب سے پہلے آپ سے
خارج علیک فاذن لی لاکون	لڑنے کو آیا تھا لہٰذا آپ مجھے اجازت
اول قتیل بین یدیک	دیجئے کہ سب سے پہلے آپکے سامنے

واول من يصافح جدك عندا ۔	قتل ہوں اور آپکے جد بزرگوار سے جاکر سب سے پہلے دست بوسی کروں

بہت سے لوگوں نے ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شہدائے کربلا میں سب سے پہلے درجۂ شہادت پر فائز ہونے والے حر ہیں ۔

سید ابن طاؤس نے لہوف میں ان الفاظ کی تاویل کی ہے کہ :-

انما اراد اول قتیل من الآن لان جماعۃ قتلوا قبلہ کما ورد	سب سے پہلے قتل ہونے سے یہ مراد تھی کہ اب اسوقت سے وہ سب سے پہلے قتل ہونیوالے ہوں کیونکہ انکے پہلے بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے جیساکہ روایات میں وارد ہوا ہے ۔

لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ حر کے مذکورہ بالا الفاظ اس تاویل سے کوئی تعلق نہیں رکھتے علامۂ مجلسی فرماتے ہیں :-

المعنی یکون اول قتیل من المبارزین والافان جماعۃ کانوا قد قتلوا فی الحملۃ الاولی ۔	معنی ان الفاظ کے یہ ہیں کہ وہ سب سے پہلے قتل ہونیوالے ہوں مبارز طلبی کی صورت سے لڑنے والوں میں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ انکے پہلے قتل ہو چکے تھے پہلے حملہ میں ۔

اس میں یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ حُر کے الفاظ ہیں "مبارزین" کی بالکل قید نہیں ہے بلکہ اُن کا یہ کہنا کہ "سب سے پہلے آپ کے جد بزرگوار سے جاکر مصافحہ کروں" صاف بتلاتا ہے کہ اس کے پہلے کوئی شخص شہید نہیں ہوا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضری کے لئے یہ شرط نہیں تھی کہ بطور مبارز طلبی شہید ہو بلکہ جنگ مغلوبہ یا تیروں کے حملہ میں شہید ہونے والے بھی حضرت کی خدمت میں شرفیابی کے مستحق ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مجلسیؒ کا یہ قول اُسی غلط فہمی پر مبنی ہے کہ "حملۂ اولی" جس میں پچاس آدمی شہید ہوئے وہ جنگ کی آغاز والی تیر اندازی ہی کا نام ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

حقیقۃً حُر کے الفاظ بالکل حقیقت پر محمول ہیں حر کی اس اجازت جہاد کے پہلے ہرگز کوئی شخص شہید نہیں ہوا تھا لیکن پھر بھی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ حرؔ ہی شہدائے کربلا میں سب سے پہلی فرد ہیں۔

حر نے جنگ کی اجازت اسی خیال سے مانگی کہ وہ جائینگے اور لڑیں گے اور شہید ہونگے تو اس صورت میں اوّل شہید قرار پائینگے۔ اور انھیں اجازت جہاد کی ملی بھی اور اُنھوں نے حملہ بھی کیا لیکن اس حملہ میں وہ شہید نہیں ہوئے بلکہ صرف اُن کا گھوڑا زخمی ہوا اور شہید وہ اُسکے بعد چند دوسرے اصحاب کی شہادت کے بعد ہوئے ہیں جس کا تذکرہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد آئیگا۔

حر کو امام نے اجازت دی اور وہ میدان جنگ میں آئے۔ یہ اشعار رجز میں پڑھنے لگے۔

انی انا الحر و ماوی الضیف اضرب فی اعناقکم بالسیف
عن خیر من حل بارض الخیف اضربکم ولا اری من حیف

"میں حر ہوں اور مہمانوں کا پناہ دینے والا ہوں۔ میں تمہاری گردنوں پر تلوار چلاؤں گا اُس امام کی جانب سے جو سرزمین مکہ کا سب سے بہتر ہے۔ الا ہر میں تم کو تلواریں لگاؤں گا اور اس کو ذرا بھی ظلم و تعدی نہ سمجھوں گا"۔

اسکے بعد حملہ کیا اور شمشیر زنی شروع کر دی۔ اسکے پہلے اُسوقت جب حرُ لشکر عمر سعد سے جدا ہو کر امام سے جا کر ملے ہیں تو یزیدی فوج کے ایک سپاہی یزید بن سفیان تمیمی نے کہا تھا کہ اگر میں حر کو دیکھ لیتا اُسوقت جب وہ لشکر سے نکل کر جا رہا تھا تو ایک نیزہ میں اس کا کام تمام کرتا۔ اب جو حرُ نے حملہ کیا اور چاروں طرف تلواریں چلانا شروع کیں لوگ سامنے سے ہٹ رہے تھے اور دور دور سے وار کرتے تھے حرُ کی زبان پر عنترہ شاعر کا یہ شعر تھا کہ:-

مازلت ارمیھم بثغرۃ نحرہ ولبانہ حتی تسربل بالدم

میں برابر اُن کے اوپر پھینکتا رہا اپنے گھوڑے کی گردن اور اُسکے سینہ کو یہانتک کہ اُس نے سر سے پاؤں تک خون کی چادر اوڑھ لی"۔

حرُ کا گھوڑا زخمی ہو گیا تھا اور اُس کے سر و چہرہ پہ تلواریں پڑی تھیں۔

خون بہہ رہا تھا۔ اس وقت حصین بن تمیم مشہور یزیدی افسر نے یزید بن سفیان سے کہا کہ دیکھو حُر یہی تو ہے جس کو قتل کرنے کی تم کو آرزو تھی۔

یہ سنکر یزید کو جوش آگیا۔ نکلا اور حُر کو آواز دی کہ کیا مجھ سے لڑنا منظور ہے؟ حُر نے کہا ہاں ضرور، یہ کہکر سامنے آگئے۔ خود حصین کا قول بیان کیا گیا ہے کہ بس یہ معلوم ہوا جیسے یزید کی جان حُر کے قبضہ میں ہی تھی۔ ادھر سامنے پہنچا اور بس قتل ہو گیا۔

اس منظر کی ہیبت تھی کہ دشمن کا پرا بند ہو گیا اور پھر حُر کے مقابلہ کو کوئی نہیں نکلا۔ حُر اپنے گھوڑے کو جو زخمی ہو چکا تھا موڑ کر اپنے مرکز کی جانب واپس آگئے۔

نافع بن ہلال نے آگے بڑھکر لڑائی کا آغاز کیا اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ انا الجملی انا علی دین علی۔

"میں قبیلہ بنی جمل میں سے ہوں میں علیؑ کے دین پر ہوں"۔ اُن کے مقابلہ میں ایک شخص آیا جس کا نام تھا مزاحم بن حریث۔ اُس نے کہا میں عثمان کے دین پر ہوں"۔ نافع نے کہا تو شیطان کے دین پر ہے" یہ کہکر حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا۔

ان پیہم نقصانات سے جو فوج مخالف کو برابر ہوئے تھے سرداران فوج پریشان ہو گئے۔ عمرو بن الحجاج جو اسکے پہلے بھی ایک حملہ کر چکا تھا اور ناکام

واپس گیا تھا اُس نے زور زور سے فوج کو للکارا اور بلند آواز سے کہا ۔

یا حمقی اتدرون من تقاتلون فرسان المصر قوما مستمیتین لا یبرزنّ لهم احد منکم فانهم قلیل وقلّ ما یبقون واللہ لو لم ترموهم الا بالحجارة لقتلتموهم ۔

(طبری ج ۶ ص ۲۴۵)

اے بیوقوفو! یہ تم جانتے ہو کس سے جنگ کر رہے ہو۔ یہ ملک کے خاص شہسوار لوگ ہیں۔ یہ جانوں پر کھیلنے ہوئے لوگ ہیں تم میں سے کوئی شخص انفرادی طور پر ان سے جنگ کیلئے نہ نکلے مگر انکی تعداد کم ہے۔ یہ بہت تھوڑی دیر زندہ رہ سکتے ہیں اگر تم سب ملکر فقط پتھر ہی ان کے اوپر برساؤ تب بھی ان کو قتل کر سکتے ہو۔"

یہ مشورہ عمر سعد کو بھی پسند آیا اور تمام فوج کو فرمان پہنچا دیا گیا کہ کوئی شخص مبارز طلبی کیلئے میدان میں نہ نکلے۔ بنیاک عمر بن حجاج نے آگے بڑھکر فوج میں جوش پیدا کرنے کے واسطے تقریر کی اور کہا:۔

یا اهل الکوفة الزموا طاعتکم ولا ترتابوا فی قتل من مرق من الدین وخالف الامام ۔

اے اہل کوفہ اطاعت اور وفاداری کے پابند رہو اور اپنی جماعت سے الگ نہو اور ذرا بھی شک و شبہہ نہ کرو ان لوگوں کے قتل کے بارے میں جو دین سے نکل گئے ہیں اور امام وقت (یزید) کے مخالف ہیں ۔

امام حسینؑ نے یہ گمراہ کن الفاظ سنکر جوابی تقریر ضروری سمجھی اور ارشاد کیا:-

یا عمر بن الحجاج اعلیّ تحرض الناس انحن مرقنا و انتم ثبتّم علیہ اما واللہ لتعلمن لو قد قبضت ارواحکم و متم علی اعمالکم اینا مرق من الدین و من ھو اولی بصلی النار

اے عمر بن الحجاج تو لوگوں کو میرے خلاف آمادہ کرتا ہے؟ کیا ہم دین سے نکل گئے ہیں اور تم دین پر قائم ہو قسم خدا کی عنقریب معلوم ہوگا اسوقت جب تمہاری جانیں ان جسموں سے جدا ہوں اور تم اپنے ان اعمال کے اوپر دنیا سے جاؤ اسوقت معلوم ہوگا کہ کون دین سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں جلنے کا مستحق تھا۔

عمر بن الحجاج نے اپنی فوج کو آمادہ کر لیا تھا اور ابکی بڑے جوش و خروش سے عمر سعد کی فوج کے میمنہ کے ساتھ فرات کی جانب سے فوج امام حسینؑ پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں مسلم بن عوسجہ امام کی فوج میں سب سے پہلے شخص زخمی ہو کر زمین پر گرے چھوٹی فوج کے چھوٹے سے میسرہ نے ایسی پامردی سے مقابلہ کیا کہ دشمن کو واپس جانا پڑا مگر غبار کا دامن جو چاک ہوا تو ابن عوسجہ خاک و خون میں آغشتہ نظر آئے۔ امام حسینؑ مسلم کے سرہانے گئے۔ دیکھا ایک رمق حیات باقی ہے حضرت نے مسلم کیلئے دعائے خیر کی اور اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ

فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر و ما بدّلوا تبدیلا۔

"کچھ جانے والے گذر گئے اور کچھ وقت کے منتظر ہیں اور کسی نے اپنی بات میں تبدیلی نہیں کی"۔

حبیب بن مظاہر جو امام کے ساتھ ساتھ تھے وہ مسلم کے قریب گئے۔ کہا تمھارے قتل ہونیکا بڑا صدمہ ہے مگر تمھیں جنت کی مبارکباد دیتا ہوں۔ مسلم نے کمزور آواز سے کہا "تمھیں بھی ہر طرح کی خیر و برکت کی مبارکباد قبول ہو"۔

اس کا نام ہی استقلال، اس کا نام ہی ثبات قدم، اسکا نام ہی اصول پر جان دینا اور اصول کو آخر وقت تک مد نظر رکھنا، حبیب نے کہا، "اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ میں بھی عنقریب تمھارے ہی پیچھے پیچھے آتا ہوں تو میں کہتا کہ کچھ وصیت کرو اور میں اس وصیت کو پورا کردوں"۔ مسلم نے کہا وصیت کچھ بھی نہیں وصیت جو کچھ ہے وہ اسی ذات کے متعلق (اشارہ کیا حسینؑ کی طرف) کہ تم بھی انہی کے سامنے اپنی جان نثار کرنا۔ حبیب نے کہا ضرور خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا۔

کیا دنیا کی تاریخ ایسی مثالیں پیش کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

عمر سعد کی بد حواس فوج اس مختصر سی جماعت کے مقابلہ سے بے تحاشا بھاگی تھی، اُسے خبر بھی نہیں تھی کہ کون قتل ہوا لیکن مسلم بن عوسجہ کے اہل و عیال انکے ساتھ تھے، اُن کے خیمہ میں جو اُن کے قتل کی خبر پہونچی تو ایک کنیز نے چیخ مار کر کہا یا ابن عوسجتاہ یا سیداہ "ہائے ابن عوسجہ ہائے میرے مالک" یہ سننا تھا کہ عمر بن الحجاج کی فوج والوں نے خوشی کا شور بلند کیا کہ ہم نے مسلم بن عوسجہ کو قتل کر دیا۔

شبث بن ربعی نے جو خود فوج عمر سعد میں تھا اپنے گرد و پیش والوں سے کہا کہ "خدا تم لوگوں کو غارت کرے۔ تم اپنے ہاتھ سے اپنی مٹی خراب کر رہے ہو تم اس بات پر خوش ہوتے ہو کہ مسلم بن عوسجہ ایسے شخص کو قتل کر دیا قسم اسی خدا کی جس کا دین اسلام رکھتا ہوں کہ میں نے کتنی ہی مرتبہ انہی مسلم کو اسلامی جہاد کے موقعوں پر کار نمایاں کرتے دیکھا۔ ایک آذربایجان ہی کا جہاد تھا جس میں چھ مشرکوں کو قتل کیا۔ کیا ایسا شخص تمہارے ہاتھ سے مارا جائے اور تم خوشیاں کرو۔"

یہ سچائی کا مخصوص جوہر ہے کہ وہ دشمن کی زبان سے بھی ظاہر ہو جائے مسلم بن عوسجہ کے قتل کرنیوالے دو شخص بتلائے جاتے ہیں مسلم بن عبداللہ ضبابی اور عبداللہ بن ابی خشکارہ بجلی۔

میمنہ والے حملہ کی اس کامیابی نے جو قتل مسلم کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی فوج کا دل بڑھا دیا تھا اسلیے اب کی شمر بن ذی الجوشن نے میسرہ فوج کو لیکر حملہ کیا۔ اس طرف بھی اصحاب امام حسینؑ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ عبداللہ بن عمیر نے جو اسکے قبل ایک حملہ کر کے اپنی شجاعت دکھلا چکے تھے اس جنگ میں نمایاں حصہ لیا اور دو آدمی اور قتل کیے جسکے بعد ہانی بن ثبیت حضرمی و بکیر بن حی تیمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ طبری کی تصریح ہے کان القتیل الثانی من اصحاب الحسینؑ "یہ اصحاب امام حسینؑ میں سے دوسرے بزرگ تھے جو شہید ہوئے۔

ان کی زوجہ ام وہب جو پہلے ہی سے بےچین ہو کر ایک مرتبہ میدان جنگ میں نکل چکی تھی اب اپنے شوہر کے قتل ہونے کے بعد پھر بے تحاشا میدان میں آگئی اور شوہر کے سرہانے بیٹھ کر خاک و خون سر سے پاک کرنے لگی اور کہہ رہی تھی کہ "ھنیئالک الجنۃ" "بہشت کی مبارک باد قبول کرو"۔

شمر بن ذی الجوشن نے اپنے غلام رستم کو اشارہ کیا کہ گرز اس کے سر پر مار دے اس نے گرز لگایا اور وہ باوفا عورت اسی جگہ شوہر کے سرہانے ہی تمام ہو گئی۔

یہ واقعۂ کربلا کے سلسلہ کی وہ شرمناک وارداتیں ہیں جن پہ تاریخ ہمیشہ خجالت سے سر جھکا لیا کرے گی اور انسانیت کی پیشانی عرق انفعال سے تر ہوگی۔

حسینؑ بن علی کی فوج والے بہادر سپاہی جن میں سوار صرف ۳۲ تھے بڑی بے جگری سے دشمن کی فوج میں ڈوب ڈوب کر لڑ رہے تھے اور جس طرف رُخ کرتے تھے اہل کوفہ کا موج مارتا ہوا فوج کا سمندر اس طرح پیچھے ہٹ جاتا تھا جیسے بڑھتے ہوئے دریا میں جزر کے وقت کمی پیدا ہو لیکن ان حملوں میں اصحاب سید الشہدا میں سے بھی بعض افراد برابر کام آ رہے تھے جنہیں سے حسب ذیل اشخاص کے نام اب بھی محفوظ ہیں۔ (۱) منجح بن سہم مولی الحسنؑ بعض روایتوں میں ہے کہ امام حسینؑ کے غلام تھے حدائق وردیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ انھیں حسان بن بکر حنظلی نے اوائل جنگ میں قتل کیا۔

(۲) عمرو بن خالد اسدی صیداوی (۳) سعد مولی عمرو بن خالد (۴) مجمع بن عبداللہ عائذی (۵) عائذ بن مجمع بن عبداللہ (۶) جنادہ بن حارث سلمانی۔

یہ پانچوں آدمی ایک ہی ساتھ نصرت امام حسینؑ کے لئے آئے تھے اور جنگ چھڑنے کے بعد ایک ہی ساتھ فوج دشمن پر حملہ آور ہوئے اور زور و شور سے حملہ کیا لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرنے لگے۔ فوج کوفہ نے ان لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور لشکر امام سے بالکل الگ کر دیا۔ یہ دیکھکر امام نے اپنے بھائی جناب عباس کو انکی امداد کیلئے بھیجا۔ آپنے جاکر تن تنہا فوج پر حملہ کیا اور تلوار چلانا شروع کی۔ یہانتک کہ فوج کو منتشر کیا اور ان زخمی بہادروں کو دشمنوں کے حلقہ سے نکال کر اپنی فوج کی طرف واپس لیچلے! ابھی راستہ پورا طے نہیں ہوا تھا کہ دشمن کی فوج پیچھے تعاقب کیلئے آتی نظر آئی اور وہ قریب پہونچ گئی حضرت عباس ان لوگوں کو اپنے آگے آگے لئے خود بطور حفاظت پیچھے پیچھے چلے تاکہ اُن کو کوئی گزند پہونچنے نہ پائے مگر دشمن کی فوج کے قریب آنے ہی زخمی بہادروں کے جوش کی انتہا نہ رہی اور وہ حضرت عباس کی حفاظت سے نکل کر دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور باوجودیکہ زخموں سے بالکل بےحال تھے لیکن جانتوڑ شمشیر زنی کی اور آخر ایک ہی جگہ پر گر پڑے اور شہید ہو گئے۔ جناب عباس مجبوراً امام کی خدمت میں واپس آئے اور واقعہ کی اطلاع دی امام نے چند بار اُن بہادروں کیلئے دعائے رحمت کی۔

اس واقعہ میں چند خاص قابل توجہ امور ہیں۔

(الف) امام کا بحیثیت ایک سپہ سالار فوج کے اس درجہ اپنے سپاہیوں کا قدر شناس ہونا کہ جب وہ دشمنوں میں گھر گئے تو آپ نے کسی اور کو نہیں اپنے عزیز ترین بھائی اور علمدار لشکر حضرت عباس کو انکی امداد کیلئے بھیجا۔

(ب) امام کا انتہائی بھروسا اپنے بھائی جناب عباس کی شجاعت و قوت پر کہ پانچ بہادروں کی امداد کیلئے جو دشمن میں گھرے ہوئے تھے ایک عباسؑ کو بھیجا گیا اور کوئی اندیشہ نہیں کیا۔

(ج) حضرت عباس کی مخصوص شجاعت اور فن جنگ میں مہارت جس کی بنا پر آپ نے جوش غضب میں بھرکر ہوئے اور اپنے قبضہ میں آئے ہوئے شکار پر اپنی فتحمندی کے ولولے رکھنے والی کثیر التعداد فوج پر تن تنہا حملہ کیا اور حلقہ دشمن میں گھرے ہوئے بہادروں سے دشمنوں کو ہٹا دیا اور پھر ان میں کامیابی حاصل کی اور بہادروں کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا لیا اور پھر کسی حیثیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آپ کو اس حملہ میں کوئی بھی گزند پہونچا ہو اور زخم لگا ہو۔

(د) ان بہادروں کا جوش جنگ اور ولولہ شہادت جس سے بروقت امداد پہونچنے کے باوجود انھوں نے پھر نجات کے موقع کو ہاتھ سے دیدیا اور آخر لڑ بھڑ کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

ایسی ہی چیزیں وہ ہیں جنھوں نے کربلا کے واقعہ کو دنیا کی تاریخ میں وہ اہم ندرت اور خصوصیت عطا کردی ہے جو کسی اور واقعہ کو حاصل نہیں ہے۔

ان لوگوں کی شہادت کے متعلق علامہ شیخ محمد سماوی نے اپنی کتاب (ابصار العین فی انصار الحسین) میں صراحت کیساتھ لکھا ہے کہ :-

ذلک قبل الحملة الاولی فی اول القتال "یہ پہلے حملہ" کے قبل ابتدائے جنگ کا واقعہ ہے۔"

---

(۷) جندب بن حجیر کندی، انکی بھی شہادت جنگ کے ابتدائی اوقات ہی میں ہوئی ہے۔ حدائق وردیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ انکے بیٹے حجیر بن جندب بھی انہی کے ساتھ قتل ہوئے لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچا ہے۔ اُن زیارتوں میں بھی جو امام عصر عجل اللہ فرجہ سے وارد ہیں اور اصحاب سید الشہدا کے تذکرہ پہ مشتمل ہیں ان کا تذکرہ نہیں ہے۔

دوسرا باب

سب سے پہلا سخت حملہ

اور

معرکۂ جنگ کی شدت

واقعی تاریخ کا ایک یادگار اور حیرت انگیز سانحہ ہے کہ تیس ہزار فوج کے

سامنے ۲، ۷ بھوکے اور پیاسے ہوں اور وہ فوج کثیر اس عدد قلیل سے نقصان پر نقصان اُٹھائے اور شکست پر شکست برداشت کرے اور اُسکے بنائے کچھ نہ بنے۔ صبح سے دوپہر کے قریب کا وقت آجائے اور حسینی فوج کی صف مثل ایک مضبوط و محکم آہنین دیوار کے سامنے موجود رہے۔ اسکے برخلاف فوج مخالف میں اضطراب ہو۔ اسکے نظم و نسق اور بند و بست میں برہمی ہو اور وہ طریقہ جنگ میں کسی ایک صورت پر برقرار نہ رہ سکیں۔

طبری کا بیان ہے

قاتلھم اصحاب الحسین قتالا شدیدا واخذت خیلھم تحمل و انما ھم اثنان وثلثون فاما واخذت لا تحمل علی جانب من اھل الکوفۃ الا کشفتہ فلما رای ذلک عزرۃ بن قیس وھو علی خیل اھل الکوفۃ ان خیلہ تنکشف من کل جانب بعث الی عمر بن سعد عبد الرحمن بن حصن فقال اما تری ما تلقی خیلی ھذا الیوم من

اصحاب حسینؑ نے سخت جنگ کی اور انکی سوار فوج جو صرف ۳۲ سپاہیوں پر مشتمل تھی اُسنے تابڑ توڑ حملے کیے اور وہ اہل کوفہ پر جس طرف سے حملہ کرتے تھے اس طرف کی فوج کو منتشر کر دیتے تھے جب عزرہ بن قیس نے جو اہل کوفہ کی تمام سواروں کی فوج کا افسر تھا یہ دیکھا کہ اُس کی فوج ہر جانب سے منتشر ہوتی جاتی ہے تو اُس نے عمر بن سعد کے پاس عبدالرحمٰن بن حصن کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ

هذه العدة اليسيرة ابعث اليهم الرجال والرماة.

دیکھتے ہیں آج صبح سے اس چھوٹی جماعت کے ہاتھ سے میری فوج کی کیا حالت ہے آپ پیادوں کی فوج اور تیر اندازوں کو بھیجئے کہ وہ مقابلہ کریں"۔

شرم ہے اور بہت سخت شرم شکست کا اعلان اور بہت کھلا ہوا اعلان۔ شکست اور کیسی شرمناک شکست سواروں کا افسر ہمت ہار چکا۔ اب پیادوں کی باری آئی شبث بن ربعی پیادہ فوج کا افسر تھا۔

سپہ سالار اعظم عمر سعد کا پیغام پہونچا کہ تم آگے کیوں نہیں بڑھتے دل پر چھایا ہوا رعب سمجھئے یا فوج حسینی کی رعایت نیک دل حسن ظن رکھنے والے راویوں کا یہ بیان ہے کہ شبث بن ربعی کو حسینؑ بن علیؑ سے لڑنا اپنے ضمیر کے لحاظ سے بہت ناگوار تھا اس لئے اس نے جان بچائی مگر حقیقت حال کچھ اور کہتی ہے۔ بہر حال اس نے صاف جواب دیا مگر اپنی شان خودداری کو محفوظ رکھنے کے پردہ میں کہا اور کتنے حقارت آمیز الفاظ میں کہا کہ افسوس ہے ایسی مہم کے سر کرنے کو اتنی فوج ناکافی سمجھی جائے اور مجھے جو ایک بڑا سردار ہوں زحمت دیجائے اور پھر تیر اندازوں کی بھی ضرورت ہو؟ کیا میرے سوا کوئی اور اس مہم کیلئے نہیں ملتا۔

عمر سعد نے مجبور ہو کر حصین بن تمیم۔ وہی حصین جو قادسیہ کی فوج کا افسر تھا وہی جس کے متعلق ہم نے متعدد بار اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ لوگ غلطی سے حصین بن نمیر کہتے ہیں اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اسی افسر کو اسی فوج کے ساتھ جو قادسیہ

کی سرحد میں تھی اور اس کے ساتھ پانچ سو تیر اندازوں کو مامور کیا کہ وہ بڑھیں اور حسین بن علیؑ کی فوج کے قریب جا کر پاس سے تیروں کا مینھ برسادیں۔

فن جنگ کے واقف کار اس امر سے واقف ہیں کہ تیروں کی زد کیلئے خاص درجہ کی مسافت ضروری ہے۔ دور کی تیر اندازی جو مقررہ فاصلہ سے زیادہ پر ہو ہوائی فیروں کی حیثیت رکھتی ہے جس سے گزند نہ پہونچنا بہت آسان ہے لیکن قریب کی مسافت سے تیروں کا ہنگامہ خیز طوفان ایک بے پناہ حملہ ہے جس سے محفوظ رہنے کیلئے نہ فنون جنگ کام دے سکتے ہیں نہ شجاعت و جرأت کے حوصلے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ بزدلانہ طریقۂ جنگ ہے اور شجاعت کے نام کیلئے ننگ۔

یہ ظاہر ہے کہ اصل لشکر گاہ دونوں جماعتوں کے ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر ہوتے ہیں اور اسی صورت سے کربلا میں بھی تھے۔ دونوں فوجوں کی صف آرائی ایسی ایسی جگہوں پر ہوتی ہے جن کے درمیان بہت بڑا میدان معرکۂ جنگ اور میدان کارزار کی صورت میں موجود ہوتا ہے اور وہ کچھ کم مسافت نہیں ہوتی۔

پہلی مرتبہ کے تیروں کی بارش کا عنوان یہ تھا کہ عمر سعد نے اپنے لشکر ہی سے جس کی صف آرائی مکمل ہوئی تھی تیر چلایا اور اسکے ساتھ فوج کے دوسرے لوگوں نے بھی تیر رہا کیے مگر ان تیروں کا اثر فوج حسینی پر کچھ نہیں پڑا اور نہ پڑنا چاہیئے تھا سوائے اسکے کہ اعلان حرب ہو جائے اور عملی طور سے آغاز جنگ۔

مگر اب جو تیر اندازی ہو رہی ہے اس کی نوعیت مختلف ہے یہ تیروں کا حملہ ہے جو پورے طور سے زد پر لا کر کیا جا رہا ہے۔

تیر کا بچاؤ ڈھال نہیں ہے۔ تیر کا جواب نیزہ و شمشیر کوئی بھی نہیں ہے تیر کا بچاؤ خالی دینا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ تو دیکھنا چاہیے کہ یہ بچاؤ اُس وقت کارگر ہو سکتا ہے جب اُتنی دوری کہ جس میں ایک انسان کھڑا ہو سکتا ہے یا اِدھر اُدھر ہو سکتا ہے کوئی بھی جگہ تیر کی زد سے خالی ہو لیکن عالم تصور میں اس منظر کو پیش کرو کہ صرف ۷۲ آدمیوں کی صف ایستادہ ہے۔ اس کے کھڑے ہونے کیلئے کس قدر مسافت کی ضرورت ہے؟ اس کے سامنے پانچ سو یا ایک ہزار کی جماعت آتی ہے تو وہ اُس پہلی جماعت سے کتنی زیادہ دور تک کتنی زیادہ مسافت تک ایستادہ ہوگی پھر اس بڑے لشکر کی طرف سے یک مرتبہ مجموعی طور پر یکجہت اور ہم آہنگ ہو کر ایک نشانہ پر ایک ہی مقصد پر یعنی اس پہلی جماعت کی صف کو پیش نظر رکھ کر بہت دور سے نہیں بلکہ اُتنی دور سے جو اُن کی زد میں لانے کیلئے ضروری ہو بوقت واحد تیر چلیں تو کیا یہ ایک عظیم سیلاب کا بہاؤ۔ ایک بڑے طوفان کا تھپیڑا۔ ایک بڑی آندھی کا جھکڑ۔ لوہے کی ایک بڑی چادر نہ ہوگی جو تیروں کی صورت میں چپ و راست ہر طرف سے اس مختصر جماعت کو ڈھانپ لے گی اور اُن کے جسم کے کسی حصہ اور دائیں بائیں کے کسی گوشہ میں بھی ایسا نقطہ نہیں ہو سکتا جو ان تیروں کی زد سے خالی ہو اور اس مختصر جماعت

کے لئے امن و پناہ کا ذریعہ ہو۔

واہ رے انصار سید الشہداء۔ اس عظیم الشان تیروں کے سیلاب کا جواب اُن کی طرف سے صرف یہی تھا کہ اُنھوں نے تلواریں سونت لیں تیروں کے آتے ہوئے طوفان کا اپنے سینوں سے مقابلہ کرتے اور آسکے بڑھتے ہوئے سیلاب کو ریلتے ہوئے جا پڑے اور دشمن کی فوج کے اندر گھس گئے اور شمشیر زنی کرنے لگے۔

یہی ہے وہ عظیم الشان حملہ اور گھمسان کی جنگ جو تاریخوں میں "حملہ اولیٰ" کے نام سے مذکور ہے اور یہ ظہر کے ایک گھنٹہ قبل ہوئی تھی۔

کیا کہنا اُس قیامت خیز بہادری کا جس نے آخر میں پھر دشمن کو شکست دی اور فوج کو پسپا کیا مگر نتیجہ اس حملہ کا فوج حسینی کے لئے بہت درد انگیز ضرور رہا۔

جس وقت میدان صاف ہوا اور گرد و غبار دور ہوا تو معلوم ہوا کہ مختصر تعداد بہت مختصر ہو گئی ہے پچاس آدمی انصار سید الشہداء میں سے درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے ہیں جن میں سے بعض تیروں کے نشانہ تھے اور بعض جنگ مغلوبہ میں لڑ بھڑ کر شہید ہوئے یہ سب وہ ہیں جن کی نسبت تاریخ میں یہ ملتا ہے کہ قتلوا فی الحملۃ الاولیٰ "یہ پہلے حملہ میں شہید ہوئے"۔

اسکے علاوہ جتنے گھوڑے اصحاب سید الشہداء کی سواری میں تھے سب کے سب

پڑے ہو گئے اور اصحاب جو سوار تھے وہ بھی اب پیادہ ہو گئے۔ حُر بن یزید ریاحی جن کا گھوڑا زخمی اس کے پہلے ہو چکا تھا وہ بھی اس موقع پر بالکل پیادہ ہو گئے جس کا تذکرہ اُن کے دشمن ایوب بن مشرح جیوانی نے اس طرح کیا ہے کہ :-

اناواللّٰہ عقرت بالحرّ بن یزید
فرسہ حشأتہ سہما فما لبث
ان ارعد الفرس واضطرب
وکبا فوثب عنہ الحر
کانہ لیث والسیف
فی یدہ وھو یقول :-
ان تعقروا بی فانا ابن الحرّ
اشجع من ذی لبد ھزبر
قال فما رأیت احداً
یفری فریہ

میں وہ تھا جس نے حر بن یزید کے گھوڑے کو پے لیا۔ بس ایک تیر ایسا لگا کہ فرس تھرا کر زمین پر آیا اور حُر چھلانگ مار کر اسکی پشت سے زمین پر آئے معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر ہے اور تلوار ہاتھ میں لئے تھے۔ یہ شعر پڑھ رہے تھے، اگر تم نے میرا گھوڑا پے کر ڈالا تو کوئی حرج نہیں میں ایک شریف انسان کا فرزند ہوں اور شیر سے زیادہ شجاعت کا مالک ہوں (راوی کا بیان ہے کہ) میں نے کوئی اس طرح کا شمشیر زنی کرنے والا نہیں دیکھا

واللہ واقعہ کربلا کے بعض نکات عقل انسانی کو حیران کرتے ہیں۔ حسینؑ بن علیؑ اور اُنکے اصحابؑ کا اصول جنگ، فن سپہ گری، وہ ایک کارنامہ ہے جس کے رموز

اسرار تک عقل ہو پہنچتی نہیں۔

کربلا میں حسینیؑ فوج کی صف بندی کس طرح ہوئی تھی۔ نظم فوج کیونکر درست کیا گیا تھا۔ اور ترتیب کیا تھی۔

آخر اس طرح کی خونریز لڑائیاں۔ اس صورت کی عظیم الشان تیر اندازی، ایسا ہنگامہ خیز حملہ۔ گھمسان کی لڑائی اور جنگ مغلوبہ۔ مگر حیرت انتہائی حیرت سخت حیرت ہے کہ اصحاب انصار نے کس طرح کا انتظام کیا تھا کہ پچاس صحابی تمام ہو گئے۔ گھوڑے سب کے سب بے پر ہو گئے۔ میدان خون شہدا سے لالہ زار بن گیا اور شمع امامت کے پروانے آتش ظلم کی نذر ہو گئے۔ مگر یہ کیا؟ کوئی ایک تیر، ایک معمولی زخم کسی ایک ہاشمی جوان، نوجوان، کسی بچہ تک کے آیا ہو۔ اور علوی، حسنی، حسینیؑ، عقیلیؑ، جعفریؑ کسی ایک خاندان کا کوئی ایک شخص بھی درجۂ شہادت پہ فائز ہوا ہو ہرگز نہیں اور غیر ممکن۔ دنیا کی کوئی تاریخ اسکے تبلانے پہ تیار نہیں۔ ایک راوی بھی اس کو ظاہر نہیں کرتا۔

کیا حسین بن علیؑ اور ہاشمی جوان میدان جنگ میں موجود نہیں تھے؟ یہ کہنا بھی بالکل واقعات کے خلاف ہے۔ پھر کیا تھا؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف وہ بہادر مقابلہ کر رہے تھے اپنی جان دے رہے تھے اور دوسری طرف اپنے سرداروں اور آقازادوں کی حفاظت کر رہے تھے اور کامیاب حفاظت اور یہی فداکارانہ اور وفادارانہ عزم و ارادہ کی طاقت کے وہ نمایاں پہلو ہیں جن کی مثال واقعہ کربلا کے

سوا ملنا غیر ممکن ہے۔

بہ تصریح اکثر مورخین نے کی ہے کہ اس حملہ میں شہید ہونیوالوں کی تعداد پچاس تک پہونچتی ہے۔

مایوسی معلوم ہوتی تھی کہ ان تمام شہداء کے اسماء مکمل طور سے معلوم ہو سکیں اور حقیقۃً وہ یکجا صورت سے کہیں مذکور ہی بھی نہیں مگر قدر ہوئی جستجو اور سعی کے کامیاب نتیجہ کی جب تلاش کے بعد میں نے ان تمام انصار کے اسماء یکجا مجتمع کئے اور شمار کرنے پر پچاس کی تعداد پوری ہو گئی۔

حتمی ارادہ ہے کہ میں اس سلسلہ کے چوتھے حصہ میں اکثر شہدائے کربلا کے حالات اور اُن کے امتیازی خصوصیات سلسلہ کیساتھ قلمبند کروں گا۔ اس موقع پر صرف نام درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

"پہلے حملہ" میں شہید ہونیوالے اصحاب کے اسماء

(بترتیب حروف تہجی)

(۱) ادہم بن امیہ عبدی بصری

(۲) اُمیہ بن سعد بن زید طائی

(۳) بشیر بن عمرو بن احدوث حضرمی کندی

(۴) جابر بن حجاج مولی عامر بن نہشل التیمی

(۵) جبلہ بن علی الشیبانی ۔

(۶) جنادۃ بن کعب بن حارث الانصاری خزرجی ،

(۷) جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی ۔

(۸) حارث بن امرأ القیس بن عابس کندی

(۹) حارث بن نبہان مولی حمزہ بن عبدالمطلب ،

(۱۰) حباب بن عامر بن کعب التیمی ۔

(۱۱) حبشی بن قیس النہمی

(۱۲) حجاج بن بدر التمیمی السعدی

(۱۳) حلاس بن عمرو الازدی الراسبی

(۱۴) زاہر بن عمرو الکندی

(۱۵) زہیر بن سلیم بن عمرو الازدی

(۱۶) سالم بن عمرو بن عبداللہ مولی بنی المدنیۃ الکلبی ۔

(۱۷) سالم مولی عامر بن مسلم العبدی ۔

(۱۸) سعد بن حارث مولی علی بن ابی طالب علیہ السلام ۔

(۱۹) سعد بن عبداللہ مولی عمر بن خالد الاسدی الصیداوی ۔

(۲۰) سلمان بن مضارب بن قیس

(۲۱) سلیم مولی الحسن ؑ

(۲۲) سوار بن منعم بن حابس النہمی الہمدانی

(۲۳) شبیب بن عبداللہ مولی حارث بن سریع الہمدانی الجابری ۔

(۲۴) شبیب بن عبداللہ النہشلی البصری

(۲۵) عامر بن مسلم بن حسان بن شریح السعدی البصری ۔

(۲۶) عامر بن مسلم العبدی البصری

(۲۷) عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر الجہنی

(۲۸) عبدالرحمن بن عبداللہ الارحبی ۔

(۲۹) عبدالرحمن بن مسعود بن حجاج التیمی

(۳۰) عبداللہ بن البشر الخثعمی

(۳۱) عبداللہ بن یزید بن ثبیط القیسی

العبدی البصری۔

(۳۲) عبیداللہ بن یزید بن ثبیط القیسی

(۳۳) عقبۃ بن الصلت الجہنی

(۳۴) عمار بن ابی سلامۃ الدالانی

(۳۵) عمار بن حسان بن شریح الطائی

(۳۶) عمر بن ضبیعۃ بن قیس بن ثعلبۃ التیمی

(۳۷) عمرو بن جندب الحضرمی

(۳۸) قارب بن عبداللہ بن اریقط

اللیثی الدؤلی۔

(۳۹) قاسط بن عبداللہ بن زہیر بن

حارث التغلبی۔

(۴۰) قاسم بن حبیب بن ابی البشر الازدی

(۴۱) کردوس بن عبداللہ بن زہیر التغلبی

(۴۲) مالک بن سریع۔

(۴۳) مجمع بن زیاد بن عمرو الجہنی

(۴۴) مسعود بن حجاج التیمی

(۴۵) مسلم بن کثیر الاعرج الازدی

(۴۶) مقسط بن عبداللہ بن زہیر التغلبی

(۴۷) منیع بن زیاد

(۴۸) نصر بن ابی نیزر مولیٰ علی

بن ابیطالب علیہ السلام۔

(۴۹) نعمان بن عمرو الازدی الراسبی

(۵۰) نعیم بن عجلان الانصاری

الزرقی الخزرجی۔

یہ وہ لوگ ہیں جن میں یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ کون پہلے شہید ہوا اور کون بعد اس لئے کہ تیروں کی بارش اور گھمسان کی جنگ میں ترتیب قائم ہونا غیر ممکن ہے اور معلوم ہی نہیں ہو سکتی۔

تیسرا باب

خیمہ گاہِ حسینی پر فوج کا ہجوم

(اور)

اصحابِ سید الشہدا کی بے مثال شجاعت

اس میں تو کوئی شبہہ ہی نہیں کہ حسینؑ اُس باپ کے بیٹے تھے جس کی عمر نوجوانی سے لیکر بڑھاپے تک میدان جنگ میں گذری اور حسینؑ نے بھی آنکھ کھول کر بڑے بڑے معرکے دیکھے، مگر درحقیقت خود امام حسینؑ نے کربلا میں جس طرح کی سپہ سالاری و ریاست جنگ کا نمونہ پیش کیا ہے وہ اُن کے پہلے خود اسلام کی تاریخ میں بھی موجود نہیں ہے گفتگوئے صلح کے قطع ہونے کے بعد جنگ کا یقین ہو چکا تھا۔ امامؑ کے ساتھ عورتیں تھیں اور بچے بھی تھے۔ آپ کے ساتھیوں کی تعداد انتہائی کم تھی اور دشمن کی سپاہ حد سے زیادہ تھی۔ کوفہ میں عمومی اعلان کے بعد کہ جو قتل حسینؑ کیلئے نہ جائیگا اُس کا گھر گرا دیا جائیگا اور وہ خود قتل ہوگا۔ کوفہ کے ہر طرح ہی کے لوگ کربلا میں جمع ہو گئے تھے۔ شمر جو ایک پست فطرت اوباش انسان تھا اُسکے ساتھ بہت کمینے بدمعاش کوفہ کے آدمی معرکۂ جنگ میں آ گئے تھے اور

بہ ظاہر ہی کہ ایسے لوگ کسی قتل و غارت کے موقع پہ اُس قسم کی باتوں سے بھی نہیں چوکتے جنھیں شریف لوگ اور بڑے سپاہی اپنی شرافت اور سپاہیانہ آن بان کے خلاف سمجھ کر ہرگز اختیار نہیں کرتے۔

حضرتؑ نے ملاحظہ فرمایا کہ اُن کا قیام کھلے ہوئے میدان میں دشمن کو چاروں طرف سے ہجوم کرنے کی دعوت دینا ہے اور اس صورت میں سراپردۂ حرم کی حفاظت بھی آپ کی زندگی ہی میں غیر ممکن ہے۔

یہ خیال کر کے آپ نے کربلا کی سرزمین پر تمام اطراف میں گردش کی۔ ایک خاص موقع لشکرگاہ اور حرم سرا کے لئے مناسب نظر آیا۔ جہاں تین جانب سے ایک سلسلہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کا مدور شکل سے اس طرح آ گر ملتا تھا جس سے ہلال کی شکل پیدا ہو گئی تھی اسی کا نام "حائر" ہے۔ یقیناً جو شخص اس دائرہ میں آ جائے وہ تین طرف سے محفوظ تو ضرور ہو جائیگا اور یہ سمجھنا چاہئیے کہ ایک قلعہ میں پناہ لیگا مگر یہ پناہ وہی لے سکتا ہے جس کے پاس کافی مقدار میں آب و طعام موجود ہو اور جو شخص سامان آب و طعام کا نہ رکھتا ہو وہ اس دائرہ میں محفوظ ہونا چاہے تو وہ گویا اپنے تئیں موت کے سپرد کر رہا ہے اسلئے کہ مشرقی جانب کے کھلے ہوئے حصہ پر دشمن ہجوم کر کے اسے بالکل محصور کر دیگا اور بہت مختصر مدت میں بھوک اور پیاس کی سختی سے اسکی جان کو تلف کر سکیگا۔

؏ کتاب نہضۃ الحسین مصنفہ علامہ سید ہبۃ الدین شہرستانی دام ظلہ

لیکن امام کو اس کے پہلو میں جنوب کی طرف ایک طولانی سلسلہ ٹیلوں کا جو اُس پہلے موقع سے زیادہ مناسب صورت رکھتا تھا اسلیئے کہ جو شخص اسکے دامن میں قیام کرے وہ شمال و مغرب کی جانب سے چھوٹی پہاڑیوں میں محفوظ ہوگا اور مشرق و جنوب کی جانب وسیع میدان جنگ و جدال، اور حرب و ضرب کیلئے موجود ملیگا۔

حضرتؑ نے اپنے حرم سرا اور خیمہ گاہ کیلئے اُسی جگہ کو منتخب فرمایا اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ خیموں کو بالکل ایک دوسرے کے قریب برپا کریں اور ہر خیمہ کی طنابوں کو دوسرے خیموں کی طنابوں کے ساتھ وابستہ کر دیں۔ اسکے علاوہ آپ نے پشت کی جانب ایک خندق کھدوا کر اُس میں لکڑیاں جمع کرادی تھیں کہ ان میں آگ دیدی جائے جس کی بنا پر اُس طرف سے دشمن کے ہجوم کا اندیشہ نہ رہے۔ یہ تمام طیاریاں شب عاشورا تک مکمل ہو گئی تھیں۔ اور صبح کو اُس خندق میں آگ بھی دیدی گئی، اس طرح فوج دشمن کو بالکل گھیرنے اور چاروں طرف سے حملہ کرنیکا موقع باقی نہ رہا۔

———·⁘·———

جبتک حسینؑ کی فوج اپنی مختصر مقدار کے اعتبار سے زیادہ تعداد میں موجود تھی اُسوقت تک دشمنوں کو آگے بڑھنے کا موقع حاصل نہیں ہوا تھا لیکن اب جسوقت کہ پچاس آدمی فوج حسینی کے سب کے سب درجہ شہادت پر فائز ہو چکے اور جتنے انصار حسینؑ باقی رہے انکے پاس گھوڑے نہ باقی رہے سب پیادہ ہو گئے تو اب فوج دشمن کی ہمتیں بڑھ گئیں اور وہ خیام حسینی کے قریب آ گئے۔

حسینؑ کے اصحاب کی تعداد بہت کم تھی مگر اُن کی جنگ کا یہ عالم تھا کہ طبری
نے لکھا ہے :-

قاتلوھم حتی انتصف النہار اشد قتال خلقہ اللہ -

وہ اُنھوں نے جنگ کی یہاں تک کہ دوپہر کا وقت آگیا سخت ترین جنگ دنیا کی جو
خدا نے خلق کی ہو!!

یزیدی فوج کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح پس پشت سے حملہ کرسکے اور ان بہادروں کو
گھیرے مگر پشت کی جانب اُن کے خیمے تھے جنھیں امام کے حکم سے اس طرح ایک دوسرے سے
متصل اور طناب اندر طناب قائم کیا گیا تھا کہ اُنھوں نے ایک مضبوط دیوار اور
حصار کی شکل اختیار کرلی تھی اسلئے اس طرف سے حملہ غیر ممکن تھا -

---

عمر سعد نے یہ دیکھا تو حکم دیا کہ خیموں کو انکے چپ و راست سے گرادیا جائے تاکہ پورے
طور سے محاصرہ کرنا ممکن ہو - اصحاب سید الشہداء نے جب یہ دیکھا تو متفرق طور پر اپنے
اپنے خیموں کے اندر داخل ہو کر منتظر بیٹھ گئے جس خیمہ میں کوئی داخل ہوتا کہ طنابیں
کاٹ کر اس خیمہ کو گرائے فوراً وہ قتل کیا جاتا اور اُس کی لاش باہر پھینکدی جاتی
عمر سعد کو اس تدبیر میں بھی شکست اٹھانا پڑی تو اس نے کہا کہ اچھا ان سب خیموں
میں آگ لگادو کسی خیمہ کے اندر جاکر گرانے کی کوشش نہ کرو -

معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کا خیمہ اور حرم سرائے عصمت اس مسلسل خیموں کی قطار سے

علیحدہ تھا اور جداگانہ قائم تھا۔ فوج کے سپاہی جب ان خیموں میں آگ دینے لگے تو امام نے فرمایا آگ لگا دینے دو اسلئے کہ اگر انھوں نے آگ لگا دی اور شعلے بھڑکنے لگے تو پھر بھی یہ اس طرف سے تو تمھارے اوپر حملہ کر نہ سکیں گے اور جو ان کا مقصد ہے وہ پورا نہ ہوگا۔

اصحاب حسین ؑ نے مدافعت چھوڑ دی اور عمر سعد کی فوج آگ لگانے میں کامیاب ہوئی مگر نتیجہ نے بتا دیا کہ عمر سعد ایسے ایک بڑی فوج کے افسر نے سیاست جنگ میں غلطی کی اور حسین ؑ ایسے چھوٹی فوج کے سپہ سالار کی رائے حرف بحرف درست ہوئی۔ یعنی آگ لگانے سے دشمن کیلئے خود اس طرف کا راستہ بند ہو گیا اور مقابلہ کا موقع صرف سامنے ہی کی جانب سے باقی رہ گیا۔

اپنی تدبیر کے شکست کھانے کا بیجا غصہ تھا جس نے کمینہ طبیعت شمر کو برافروختہ کر دیا اور اُسنے مخصوص امام حسین ؑ کے خیمہ پر حملہ کر کے اپنا نیزہ خیمہ کے اوپر مارا اور کہا کہ لاؤ آگ لاؤ تاکہ میں اس گھر کو اُس کے رہنے والوں سمیت جلا دوں۔

اس دانہ کا اثر تھا کہ خیمہ میں ایک شور نالہ و فریاد کا بلند ہو گیا جس سے غیرت دار مگر نیت مظلوم حسین ؑ بن علی ؑ کو بھی تاب نہ رہی اور پکار کر فرمایا:-

"اے شمر تو آگ اسلئے منگا رہا ہے کہ میرے گھر کو میرے اہل و عیال سمیت جلا دے۔ خدا تجھے آگ سے جلنا نصیب کرے"۔

فوج کے دوسرے سپاہیوں نے شمر کو منع کیا اور شبث بن ربعی نے مخصوص

طریقے شمر کے پاس آکر کہا:-

ما رأیت مقالا اسوء من قولک ولا موقفا اقبح من موقفک ام رعبا للنساء صرت۔

"میں نے آج تک ایسی شرمناک بات نہیں سنی جیسی تو کر رہا ہے اور نہ اس سے بدتر اقدام دیکھا جس کا تو نے ارادہ کیا ہے۔ تو عورتوں کو خوف زدہ کرتا ہے؟"

ان سب لوگوں کے کہنے سے شمر بھی کچھ شرمندہ سا ہوا اور اپنی جگہ سے ہٹ گیا اتنی دیر میں زہیر بن قین نے اپنے دس بہادر ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا اور اتنا سخت حملہ کہ شمر اور اس کے ساتھ والی فوج کو خیموں کے پاس سے دور ہٹا دیا اور ابو عزہ ضبابی کو جو شمر کا خاص آدمی اور اس کے قبیلہ سے تھا قتل کر دیا۔

دشمن کی فوج نے جب اپنے ایک ممتاز سپاہی کو اس حملہ میں قتل ہوتے دیکھا پورے جوش و خروش سے ان دس آدمیوں پر ٹوٹ پڑے اور سخت خونریز لڑائی ہوئی مگر ان بہادروں نے بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں دشمن کو شکست ہوئی مگر اسکے بعد اصحاب حسینؑ میں سے بھی اکّا دکّا افراد قتل ہوتے رہے۔

کثرت اور قلت کا مقابلہ کیا؟ طبری کے بیان کے موافق صورت یہ تھی کہ:-

اذا قتل منہم الرجل والرجلان تبین فیہم واولئک کثیر لا یتبین فیہم ما یقتل منہم۔

"ان میں سے ایک یا دو بھی قتل ہوتے تو اس سے نمایاں کمی پیدا ہوتی تھی

اور وہ بہت کثیر تعداد میں تھے اس لیے جتنے بھی قتل ہونے تھے کچھ پتہ ہی چلتا تھا۔ وہ اشخاص جو پہلے حملہ کے بعد دوپہر کے وقت تک نماز ظہر کے واقعہ سے پہلے شہید ہوئے انمیں سے بعض کے اسماء تاریخ میں حسب ذیل ملتے ہیں ۔

(۱) بکر بن حی بن تیم اللہ بن ثعلبۃ التیمی۔ یہ اُن لوگوں میں سے تھے کہ جو عمر سعد کی فوج میں امام حسینؑ سے جنگ کو آئے تھے مگر جب جنگ چھڑی اور موت کا بازار گرم ہوا تو توفیق آلہی نے دستگیری کی اور یہ فوج حسینیؑ میں شامل ہو کر نصرت امام میں شہید ہوئے ابصار العین میں ہے کہ قتل بین یدی الحسین بعد الحملۃ الاولی یہ امام حسینؑ کی نصرت میں پہلے حملہ کے بعد قتل ہوئے۔

(۲) کنانہ بن عتیق تغلبی، انکے متعلق لکھا ہے قتل مبارزۃ فی ما بین الحملۃ الاولی والظهر " یہ مبارزطلبی کی جنگ میں "حملہ اولیٰ" اور ظہر کے درمیان میں شہید ہوئے۔

(۳) عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی کمسن نابالغ یتیم جس کے باپ جنادہ بن کعب "حملۂ اولیٰ" میں شہید ہوئے بحریہ بنت مسعود، اس بچہ کی بیوہ ماں نے بچہ کو ہدایت کی کہ وہ بھی باہر نکلے اور حسینؑ کی نصرت میں جنگ کرے۔ بچہ خدمت امام میں آیا اور طالب اجازت ہوا حضرتؑ نے اجازت دینے سے انکار کیا بچہ نے پھر رخصت طلب کی حضرتؑ نے اصحاب کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ "ابھی تو اسکا باپ معرکۂ جنگ میں قتل ہو چکا ہے۔ اب بھلا اس کی ماں کے دل پر کیا گذر گئی

جو یہ بھی جا کر قتل ہو۔" بچہ نے کہا آقا میری ماں ہی نے تو بھیجا ہے اور انھوں نے ہی تو مجھے یہ جنگ کا لباس پہنایا ہے۔

امام مجبور ہو گئے اور اجازت دی۔ بچہ میدان میں آیا اور لڑ کر قتل ہوا سخت دل اور بے رحم فوج نے بچہ کا سر کاٹ کر فوج حسینی کی طرف پھینکدیا۔ پر طاقت دل والی ماں نے بچہ کا سر اٹھا لیا اور کہا "شاباش بیٹا شاباش تو نے میرا دل خوش کر دیا اور میری آنکھوں میں ٹھنڈک ڈال دی" پھر اس سر کو اٹھا کر فوج دشمن کی جانب پھینکدیا اور خود بھی عمود خیمہ لیکر دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ امام نے جو دیکھا اسے گوارا نہ کیا اور اس عورت کو خیمہ کی جانب واپس فرما دیا"۔

واقعہ کربلا کی ایسی مثالیں وہ ہیں جو دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہیں اور ہمیشہ بے نظیر صورت پر قائم رہینگی۔

(۴) یزید بن حسین المشرقی، ان کا تذکرہ شیخ عبداللہ مامقانی طاب ثراہ کی کتاب تنقیح المقال میں ہوا اور لکھا ہے:۔

"کان مع من جاھد من اصحابہ وممن قتل قبل الظہر"۔

"یہ ان اصحاب میں سے تھے جنھوں نے حضرت کی نصرت میں جنگ کی اور ظہر کے قبل شہید ہوئے"۔

چوتھا باب

ظہر کا ہنگام

اور

نماز ظہر کا ہنگامہ

میدان میں ایک طرف گرمی سے آگ برس رہی تھی دوسری طرف جنگ کی وجہ سے خون کی بارش تھی۔ اس عالم میں ظہر کا وقت آیا تو ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ صائدی نے امام کی خدمت میں عرض کیا۔

"مولا میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ اب آپ کے بالکل قریب آ گئے ہیں اور یقینی ہے کہ آپ پر کوئی آنچ نہ آنے پائے گی جب تک میں انشاء اللہ آپ کے سامنے قتل نہ ہو جاؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس نماز کو جس کا وقت آ ہی گیا ہے آپ کے ساتھ پڑھوں اس کے بعد خدا کی بارگاہ میں جاؤں۔"

امام نے سر اوٹھایا اور فرمایا ذکرت الصّلوٰۃ جعلک اللّٰہ من المصلّین الذاکرین نعم ھٰذا اوّل وقتھا "تم نے نماز کو یاد کیا خدا تم کو نماز گذاروں اور یاد رکھنے والوں میں محسوب کرے۔ ہاں یہ نماز کا اول وقت ہے"۔

پھر حضرت نے فرمایا ان لوگوں سے کہو اتنی دیر جنگ سے ہاتھ روک لیں کہ ہم نماز پڑھیں"۔

اللہ! رسول کا فرزند جس کے گھر سے نماز کی بنیاد قائم ہوئی وہ نماز کی مہلت مانگے اور نہ ملے بلکہ مہلت کے سوال پر حصین بن نمیم صف سے باہر نکلے اور یہ کہے کہ "تمھاری نماز قبول نہیں ہے"۔

جس پر حبیب بن مظاہر بے چین ہو جائیں اور یہ کہیں کہ "فرزند رسولؐ کی نماز قبول نہ ہو اور تیری نماز قبول ہو"۔

حصین بن نمیم کو یہ سنکر غصہ آتا ہے اور وہ حملہ کر دیتا ہے۔ حبیب آپ کے مقابلہ کو جاتے ہیں حبیب نے جاتے ہی اُس کے گھوڑے کے مونھ پر تلوار ماری جس سے وہ بھڑکا اور حصین زمین پر آرہا۔ اُسکے ساتھیوں نے فوراً آکر اُس کی حفاظت کی اور بچا کر لے گئے۔ حبیب نے یہ شعر پڑھنا شروع کئے۔

اقسم لو کنا لکم اعدادا | او شطرکم ولّیتم اکتادا

یا شرّ قوم حسبا و ادا

"قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر ہم تعداد میں تمھارے برابر ہوتے یا تمھارے آدھے بھی ہوتے تو تم ضرور شکست کھا کے واپس جاتے۔ اے بدترین قوم حسب و نسب کے عتبار سے"۔ پھر جوش بہادر زیادہ بڑھا اور یہ رجز پڑھنے لگے۔

انا حبیب و ابی مظاہر | فارس ھیجاء و حرب تسعر

انتم اعد عدۃ واکثر	ونحن اوفی منکم واصبر
ونحن اعلیٰ حجۃ واظهر	حقاً واتقیٰ منکم واعذر

"میں حبیب ہوں اور میرے باپ مظاہر تھے۔ میں میدان جنگ اور اس موقع کا جب لڑائی کے شعلے بھڑک رہے ہوں شہسوار ہوں تمہارے پاس جنگ کا سامان ہم سے زیادہ ہے اور تعداد میں بھی ہم سے زیادہ ہو مگر ہم وفاداری و استقلال اور صبر و برداشت رکھتے ہیں اور حقانیت کا ثبوت اور سچائی کی طاقت اور خدا کا خوف اور اپنے حق بجانب ہونے کی سند تم سے زیادہ رکھتے ہیں۔"

اسکے بعد شدت کے ساتھ جنگ کی۔ ایک شخص نے بنی تمیم میں سے جس کا نام بدیل بن صریم تھا تلوار سے ان پر حملہ کیا۔ انھوں نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف سے دوسرے شخص نے نیزہ لگایا جس سے یہ گر گئے مگر پھر سنبھل کر چاہتے تھے اٹھیں کہ حصین بن تمیم نے تلوار سر پر لگائی جس سے حبیب خاک پر گر پڑے اور پہلے سپاہی نے اتر کر سر ان کا قلم کر لیا۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حبیب بن مظاہر کے قتل ہونے سے امام حسین ؑ کے چہرہ پر شکستگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور انتہائی صدمہ کا اظہار ہوا۔

اس وقت حر بن یزید ریاحی نے جو اپنے گھوڑے کے پے ہو جانے کے بعد پیادہ ہو چکے تھے اور اس کے پہلے کئی مرتبہ لڑ بھی چکے تھے زہیر بن قین کے ساتھ مل کر دشمن پر

حملہ کیا۔ حر رجز پڑھ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے

آلیت لا اقتل حتی اقتلا	ولن اصاب الیوم الا مقبلا
اضربھم بالسیف ضربا مقصلا	لا ناکلا عنھم ولا مھللا

"میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہ ہونگا جب تک دشمنوں کو قتل نہ کر لوں اور مارا جاؤں مگر پیش قدمی کرنے ہی کی حالت میں، میں آج تلواریں لگاؤں گا فیصلہ کن تلواریں نہ میرے قدم پیچھے ہٹیں گے اور نہ کمزوری کا اظہار ہوگا۔

کبھی یہ شعر پڑھتے تھے:-

اضرب فی اعراضھم بالسیف	عن خیر من حل منی والخیف

"میں شمشیر زنی کروں گا اس بہترین انسان کی جانب سے جس نے سرزمین حرم میں کبھی قیام کیا!"

حر اور زہیر بن قین دونوں نے ملکر جنگ کرنا شروع کی حالت یہ تھی کہ ایک حملہ کرتا تھا اور جب وہ دشمنوں میں گھر جاتا تو دوسرا حملہ کر کے اسے دشمنوں کے حلقہ سے نجات دیتا تھا۔

تھوڑی دیر یہی صورت قائم رہی لیکن اسکے بعد پیادوں کی فوج نے حر بن یزید کا سختی سے محاصرہ کیا اور زہیر بن قین کی کوشش ان کی مدد میں ناکام ہوئی۔ حر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

امام نے اپنے اس ناصر کی یہ قدر کی کہ جب اصحاب اٹھا کر میدان سے خیمہ گاہ کی طرف لائے

اور حضرت کے سامنے رکھا تو حضرت خاک و خون حُر کے چہرہ سے صاف کرنے لگے اور فرمایا۔

انت الحر کما سمتک امک وانت الحرّ فی الدّنیا وانت الحرّ فی الاخرۃ ۔	تم بیشک حُر ہو۔ تمھارے والدین نے تمھارا نام حُر بہت ٹھیک رکھا۔ تم دنیا میں بھی حر ہو اور آخرت میں بھی حُر۔

یعنی انسان کی حرّیت و شرافت کا جوہر اُس کے افعال ہی سے نمایاں ہوتا ہے۔ قید و بند دنیا میں گرفتار اور ہوا و ہوس میں اسیر ہو کر حق و ناحق کے امتیاز کو ہٹانے والا انسان ہرگز حرّیت ضمیر اور شرافت نفس کے جوہر کا مالک نہیں ہے، یقیناً حُر نے تمام دنیاوی توقعات کو چھوڑ کر حق کے راستے پر قدم رکھا تو وہ حُر ثابت ہوئے اور حریت کے اصلی جوہر کو اپنے عمل سے نمایاں کر دیا۔

جنگ ملتوی نہیں ہوئی تھی اور نماز کی مہلت نہیں مل سکی۔ ایسے موقع کے لئے شرع نے مخصوص حکم نماز خوف کا دیا ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ فوج دو حصے ہو جائیں ایک حصہ دشمن کیساتھ مقابلہ کرے اور دوسرا حصہ نماز میں شریک ہو۔ وہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور باقی نماز تخفیف کیساتھ فرادیٰ پڑھکر تمام کرے اور جب یہ نماز ختم کر کے جائے اور دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے تو وہ پہلا حصہ فوج کا میدان جنگ سے آکر نماز میں شریک ہو۔ مگر یہ تو اسوقت ہے جب فوج کی

اتنی تعداد بھی ہو کہ اس کے دو حصے ہو سکیں اور اس کا نصف حصہ دشمن کے سامنے مقاومت کر سکے۔ مگر فوج حسینی اس کی تو مجموعی تعداد ہی اب بہت کم تھی اس میں یہ صورت کہاں ممکن معلوم ہو سکتی تھی لیکن حسینؑ کو تو اس دن تمام اسلامی تعلیمات کو عملی صورت میں پیش کرنا تھا انھوں نے اپنی اس مختصر فوج ہی میں اس طرح تقسیم کی۔

مشہور یہ ہے کہ آپ نے صرف زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی کو اپنے سامنے کھڑا کیا۔ میں نے اسی شہرت کی بنا پر "اسوۂ حسینی" کی تقریروں میں یہ بحث کی ہے کہ یہ دو آدمی پوری جماعت کی کس طرح حفاظت کر سکتے ہیں۔ اسی کے سلسلہ میں میں نے جہت قبلہ اور میدان کارزار کے محل وقوع پر تبصرہ کیا ہے۔ مگر علامہ مجلسی نے بحار میں جو روایت درج کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فقال الحسین لزہیر بن القین وسعید بن عبداللہ تقدما اماحی حتی اصلی الظہر فتقدما امامہ فی نحو من نصف اصحابہ حتی صلی بھم صلوٰۃ الخوف	امام نے زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی سے فرمایا کہ تم دونوں میرے سامنے آگے بڑھو یہاں تک کہ میں نماز ظہر پڑھوں۔ یہ دونوں آدمی اصحاب کی تقریباً نصف جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور حضرت نے نماز خوف ادا کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نمازِ خوف کی جو صورت ہے اسی طرح نماز پڑھی گئی تھی۔ مگر پھر بھی اصحابِ حسینؑ کی جرأت یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کمی ہی کمی پیدا ہوئی یعنی وہ تعداد ہی کتنی تھی۔ اُن میں بھی نصف نماز میں مصروف ہوئے اور نصف تمام فوج کے ریلے کو روکے رہے۔

بہرحال یہ نماز تھی اور یادگار نماز۔

سعید بن عبداللہ حنفی نے عجیب استقلال اور وفاداری کا مظاہرہ کیا وہ خاص امام کے سامنے کھڑے تھے اور جو تیر امام کی طرف آنے لگتا تھا وہ اُس کو خود اپنے اوپر روکتے تھے یہاں تک کہ آخر زمین پر گرے اور روح نے جسم سے پرواز کی۔ معلوم ہوا کہ تیرہ ۱۳ تیر اُن کے جسم میں پیوست تھے۔ زہیر بن قین نے بڑی پامردی سے جنگ کی۔ وہ کہہ رہے تھے؟

انا زھیر و انا ابن القین   اذودھم بالسیف عن حسین

"میں زہیر ہوں اور قین کا فرزند ہوں۔ میں اپنی تلوار سے ان کو حسینؑ کی جانب سے دور کروں گا۔"

وہ پہلے اس کے حرؑ کے ساتھ بھی بہت لڑ چکے تھے اور اب پھر خوب شمشیر زنی کی آخر کو کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس دو شخصوں نے اُن پر حملہ کیا جن کے ہاتھ سے وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

پانچواں باب

اصحاب کا خاتمہ

نماز ظہر کے بعد تمام اصحاب میں شہادت کا جذبہ زیادہ تیز ہو گیا تھا شمع امامت کے پروانے جانبازی میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے۔

نافع بن ہلال جملی تیر اندازی میں بڑے مشاق اور یگانہ روزگار تھے انہوں نے اپنے تیروں کے سوفار پر اپنے نام لکھ دیے تھے ان کا ذکر اسکے پہلے بھی ہو چکا ہے۔

انھوں نے تیر لگانا شروع کئے جو سب زہر میں بجھے ہوئے تھے، زبان پر یہ جملہ تھا کہ انا الجملی انا علی دین علی "میں قبیلۂ جمل کا آدمی علیؑ کے دین پر ہوں"۔

ان تیروں نے بہت سے آدمیوں کو زخمی کیا اور بارہ آدمی تو جان سے مارے گئے آخر دشمن نے ان کو گھیر کر مارنا شروع کیا یہانتک کہ دونوں بازو ان کے شکستہ ہو گئے اسوقت وہ گرفتار کر لئے گئے شمر کچھ سپاہیوں کی مدد سے ان کو پکڑ کر عمر سعد کے پاس لے گیا۔ عمر سعد نے کہا "نافع یہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" نافع کے سر سے

خون بہہ رہا تھا اس حالت میں جواب دیا "میرے ضمیر سے تو خدا واقف ہے کہ میری نیت کیا تھی۔ مگر خدا کی قسم مجھے خوشی ہے کہ میں نے بارہ آدمی تم میں سے جان سے مارے ہیں اور زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اگر میرے بازو ٹوٹ نہ جاتے تو تم مجھے اس طرح گرفتار ہرگز نہ کر سکتے۔"

شمر نے کہا اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ عمر سعد نے کہا تم ہی گرفتار کر کے لائے ہو تمھیں اختیار ہے شمر نے تلوار کھینچی نافع نے کہا۔ "اگر تم لوگ مسلمان ہوتے تو کبھی ہم لوگوں کو خون میں ہاتھ نہ بھرنے۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہم لوگوں کی موت اپنی مخلوق میں سے بدترین لوگوں کے ہاتھوں سے قرار دی۔" شمر نے تلوار لگائی نافع شہادت کے عظیم درجہ پر فائز ہوئے۔

پست حوصلہ اور کمینہ فطرت شمر ابن ذی الجوشن نخعی اور گرفتار شدہ مجاہد کو قتل کر کے فتحمندی کا احساس کرنے لگا اور رجز کے اشعار زبان پر جاری کر کے امام حسینؑ کے اصحاب پر حملہ آور ہوا۔

اصحاب امامؑ کی اب یہ حالت تھی کہ ہر ایک چاہتا تھا ہم پہلے اپنی جان نثار کر دیں

عبداللہ و عبدالرحمن

فرزندان عزرہ غفاری دونوں بھائی امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔

"آپ کو ہمارا اسلام قبول ہو۔ اب دشمن بہت قریب آ گئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے قتل ہوں اور آپ کی حفاظت میں اپنی جان نثار کریں۔" حضرت نے

فرمایا "آؤ میرے قریب کھڑے ہو کر جنگ کرو"۔ دونوں نے حضرت کے نزدیک ہی کھڑے ہو کر لڑنا شروع کیا اور دونوں شہید ہوئے۔

سیف بن حارث بن سریع و مالک بن عبد بن سریع۔ دونوں چچا زاد بھائی اور ایک ماں کی اولاد تھے دونوں جوان امام کی خدمت میں آئے اور پاس نزدیک کھڑے ہو کر رونے لگے۔

صحابہ کے دل کی بے چینیاں انکے طرز عمل سے نمایاں اور امام کا استقلال انکی باتوں سے ہویدا ہے۔ ان کے مونھ سے رنج و غم کی وجہ سے بات نہیں نکلتی۔ امام کے پاس کھڑے ہیں اور بس آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ امام فرماتے ہیں "کیوں میرے بھائی کے فرزندو۔ روتے کیوں ہو؟ تھوڑی دیر میں ابھی دیکھو خوشی ہی خوشی تمھیں نصیب ہوگی"۔ بہادر جاں نثار عرض کرتے ہیں۔

"ہماری جان آپ پر قربان۔ ہم اپنے لئے تھوڑی روتے ہیں۔ ہمیں تو آپکی بےکسی پر رونا آتا ہے دیکھ رہے ہیں کہ آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور ہم سے آپکی حفاظت ہوتے نہیں معلوم ہوتی!

حضرت نے فرمایا "خدا تم دونوں کو اے میرے بھتیجو جزائے خیر دے۔ اس صدمہ کی وجہ سے اور اس ہمدردی کے لئے جو تمھیں میرے ساتھ ہے خدا تم کو بہترین جزا عطا کرے"۔ ان دونوں جوانوں نے اپنی جان آقا پر فدا کی۔

بریر بن خضیر ہمدانی پورے طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی شہادت ٹھیک

قبل ہی یا ظہر کے بعد۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ اوائل جنگ میں شہید ہوئے ہیں۔ مجلسیؒ نے بحار میں انکی شہادت کو حر بن یزید ریاحی کے بعد لکھا ہے مگر یہ شاید اسی غلطی پر مبنی ہو کہ خود حر کی شہادت کو اوائل جہاد میں بتلایا گیا ہے۔

بہر حال صورت یہ ہے کہ یزید بن معقل نے جو فوج عمر بن سعد میں تھا صف سے باہر نکل کر بریر کو آواز دی اور کہا کیوں بریر دیکھتے ہو خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ بریر نے کہا میرے ساتھ تو خدا نے اچھا ہی سلوک کیا۔ ہاں تیرے ساتھ سلوک برا کیا۔ یزید نے کہا یہ تم جھوٹ کہتے ہو حالانکہ اسکے پہلے تمہیں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں تھی۔ اچھا کچھ یاد ہے ایک دن ہم اور تم بنی لوذان کے محلہ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ تم اس موقع پر کہتے تھے کہ عثمان گنہگار تھے اور معاویہ بن ابی سفیان ایک گمراہ اور گمراہ کن انسان ہے اور سچے امام اور حقیقی رہنما صرف علی ابن ابیطالب ہیں۔" بریر نے کہا بے شک میری رائے یہی ہے اور اسی قول پر اب بھی قائم ہوں۔ یزید نے کہا میں تو تمہیں گمراہ سمجھتا ہوں۔ بریر نے کہا اچھا مباہلہ کرنا چاہتے ہو؟ آؤ خدا سے دعا کریں کہ وہ جھوٹے پر لعنت کرے اور جو حق پر ہو اسکے ہاتھ سے باطل عقیدہ والے کو قتل کرا دے پھر باہر نکلکر ہم دونوں آدمی جنگ کریں۔ یزید نے اس کو منظور کر لیا دونوں میدان میں آ گئے۔

یقیناً دونوں فوجوں کی آنکھیں لڑی ہوئی ہونگی۔ حق اور باطل دونوں کا کھلا ہوا مقابلہ اور فیصلہ کن امتحان۔ دونوں نے دعا کی اور اسکے بعد جنگ شروع کر دی۔ صرف

دو ضربتوں کے ردوبدل کی نوبت آئی۔ پہلے یزید بن معقل نے وار لگایا جو بریر پر چھچھلتا ہوا پڑا اور کوئی زخم تک بریر کے نہیں آیا۔ اسکے بعد بریر نے تلوار لگائی تو وہ خود کو کاٹتی ہوئی کاسۂ سر میں در آئی اور قد اور انسان زمین پر گرا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ پھٹ پڑا۔

مباہلہ کا نتیجہ فیصلہ کن صورت میں نمایاں ہوگیا۔

"قاتلان حسینؑ کا مذہب" رسالہ میں میں نے اس واقعہ سے پورا پورا نتیجہ حاصل کیا ہے۔ بریر نے اس جنگ میں فتح نہیں حاصل کی بلکہ دلیل حقانیت تھی جو مکمل طور سے فتحیاب ہوئی اور آفتاب کی طرح نمایاں ہوئی۔

کاش دیکھنے والوں کی آنکھیں کھلتیں مگر نہیں ادھر بریر اپنی تلوار دشمن کے کاسہ سر سے باہر نکال رہے تھے ادھر رضی بن منقذ عبدی نے بریر پر حملہ کر دیا۔ بریر اس سے دست و گریباں ہو گئے آخر دشمن مغلوب ہوا اور بریر اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ کمزور دل والے مغلوب انسان نے اپنے ساتھیوں کو مدد کے لئے پکارا کعب بن جابر بن عمرو ازدی آگے بڑھا کہ حملہ کرے، فوج والے دوسرے سپاہیوں نے منع بھی کیا کہ یہ بریر حافظ قرآن ہیں جو مسجد میں قرآن حفظ کرایا کرتے تھے مگر اس نے نہ مانا اور پشت کی جانب سے بریر پر حملہ کر کے نیزہ پشت کے پار کر دیا۔ پھر تلوار لگا کے بریر کا کام تمام کیا۔

حنظلہ بن اسعد شبامی امام کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور پکار پکار کر کہنے لگے

یا قوم انی اخاف علیکم مثل
یوم الاحزاب مثل داب قوم
نوح وعاد وثمود والذین
من بعدهم وما الله یرید ظلما
للعباد و یا قوم انی اخاف
علیکم یوم التناد یوم
تولون مدبرین مالکم
من الله من عاصم و من
یضلل الله فما له من هاد
یا قوم لا تقتلوا حسینا
فیسحتکم الله بعذاب
وقد خاب من افتری۔

اے لوگو میں ڈرتا ہوں تم لوگوں کیلئے
اُسی طرح کا عذاب آئے جیسا دوسری
قوموں پر آیا جیسے نوح اور عاد اور ثمود
کی قوم کے لئے ہوا اور خدا اپنے بندوں
کے اوپر ظلم نہیں چاہتا۔ مجھے اندیشہ
ہے تمھارے لئے روز قیامت کا جبکہ
دنیا سے مونھ پھرائے ہو گے اور تمھارا
کوئی حفاظت کرنیوالا نہوگا اور جس کو
خدا گمراہی میں چھوڑ دے اُس کا کوئی
رہنما نہیں۔ اے حسینؑ کو قتل نہ کرو
نہیں تو خدا تم پر عذاب نازل کریگا۔
سچ کہتا ہوں تم سے جھوٹا ہمیشہ ناکام
اور مایوس ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے ایک جذبہ ہے اظہار حق کا جو بے چین کئے ہوئے ہے۔ امامؑ نے فرمایا "اے حنظلہ عذاب کے مستحق تو یہ اسی وقت ہو چکے جب تمھاری دعوت حق کو مسترد کیا اور تمھارے مقابلہ کیلئے فوج کشی کر کے آئے چہ جائیکہ اب۔ اب تو انھوں نے تمھارے نیکوکار اور پارسا بھائیوں کو قتل بھی کیا۔"

خنظلہ نے کہا "مولا۔ آپ کی معرفت مجھ سے زیادہ ہے۔ مجھ کو یہ درجہ کہاں حاصل ؟ اچھا تو آپ اجازت دیتے ہیں؟ ہم بھی جاکر اپنے بھائیوں سے ملحق ہوں" حضرت نے فرمایا اچھا جاؤ اُس عالم کی طرف جو اس دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور اُس ملک کی جانب جو فنا ہونے والا نہیں" خنظلہ نے کہا "آمین آمین" یہ کہکر آگے بڑھے۔ جنگ کی اور شہید ہو گئے۔

عابس بن ابی شبیب شاکری

کوفہ کے ایک نامور اور بزرگ مرتبہ شخص تھے اپنے غلام شوذب کے ساتھ امام کی نصرت کو آئے تھے یہ غلام ان کو بہت عزیز تھا اور غلام بھی بہت وفا شعار تھا۔

وہ متوجہ ہوئے اپنے غلام کی طرف اور کہا "کیوں کیا ارادہ ہے؟" غلام نے کہا "ارادہ کیا ہے؟ یہی کہ آپ کے ساتھ فرزند رسول کی نصرت میں جنگ کروں اور قتل ہوں" عابس نے کہا "شاباش مجھے تجھ سے یہی امید تھی! اچھا تو پھر بڑھ آگے اور امام کے اوپر جان نثار کرتا کہ امام تیری مصیبت بھی اسی طرح دیکھ لیں جیسے اپنے دوسرے اصحاب کی اور میں بھی تیرے غم کو اُٹھا کر ثواب کا مستحق بنجاؤں۔ یقیناً اس وقت اگر کوئی ایسا شخص موجود ہوتا جو تجھ سے زیادہ مجھے عزیز ہو تو میں اُسے بھی اپنے سامنے بھیجتا تاکہ اُسکی مصیبت کو برداشت کرنیکا ثواب حاصل کروں کیونکہ آج تو ایسا دن ہے جسمیں جتنا انسان سے ہو سکے اتنا اجر وثواب حاصل کرلے اسلئے کہ آج عمل کا دفتر ختم ہو رہا ہے۔ اور اسکے بعد

بس حساب ہی حساب ہے۔"

کیا کہنا اس جذبۂ اطاعت اور اخلاص معرفت کا۔ کیا کہنا اس استقلال و اطمینان کا معلوم ہوتا ہے مصیبتیں خود اختیاری طور پر اٹھائی جارہی ہیں اور ان میں ترتیب و نظم قائم کیا گیا ہے کوئی ناگہانی اور اچانک صورت نہیں ہے۔ یہی وہ پہلو تھا جس کے لحاظ سے جناب عباس نے اپنے بھائیوں کو اپنے سامنے بھیجا اس کا تذکرہ بعد کو آئیگا۔

بازفا غلام آگے بڑھا امام حسینؑ کو سلام کیا اور میدان میں جاکر لڑا اور شہید ہوا اب عابس بن شبیب خود امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔"

"سبحان اللہ روئے زمین پر نزدیک یا دور کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز اور آپ سے زیادہ محبوب ہو۔ اگر مجھے قدرت ہوتی کہ میں اپنی جان سے زیادہ کوئی عزیز شے آپکی خاطر سے پیش کروں اور آپ پر نثار کروں تو ایسا ہی کرتا مگر اب تو بس میری جان ہی باقی ہے۔ تو پھر اجازت دیجئے میں خدا کو گواہ کئے دیتا ہوں کہ آپ اور آپکے باپ کے دین پر ہی قائم ہوں۔"

معلوم ہے کہ دنیا کے سپہ سالار خود سپاہیوں کو میدان جنگ میں بھیجتے اور کٹواتے ہیں مگر کربلا کا معرکہ اس سے مختلف تھا۔ یہاں ہر انسان اپنے دل کی تحریک اور ضمیر کی ہدایت سے جان نثار کر رہا تھا اور اس کو بھی ادائے فرض میں کم محسوس کرتا تھا۔ عابس سلام رخصت کرنے کے بعد ہاتھ میں ننگی تلوار لیے میدان کی طرف چلے

پیشانی پر ایک زخم تھا جو شاید پہلے حملوں میں آگیا تھا۔ فوج کوفہ کا ایک شخص ربیع بن تمیم جو کربلا سے واپس ہوا تھا بیان کرتا ہے کہ میں نے عابس کو آتے دیکھا تو پہچان لیا۔ میں انھیں اسکے پہلے لڑائیوں میں دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ وہ یکتائے روزگار شجاع اور جنگ آزما ہیں۔ میں نے کہا۔

ایھا الناس ھذا اسد الاسود ھذا ابن شبیب لایخرجن الیہ احد منکم۔

اے اہل فوج یہ شیروں کا شیر ابن شبیب ہے، اسکے مقابلہ کو تم میں سے کوئی باہر نہ نکلے۔

ان الفاظ سے فوج پر اتنی ہیبت چھائی کہ عابس نے ہر چند آوازیں دیں الا رجل لرجل "کوئی مرد میدان نہیں جو ایک مرد میدان کے مقابلہ کو آئے"۔ مگر فوج میں سے ایک شخص بھی باہر نہ نکلا۔

عمر سعد نے کہا اس بہادر کو پتھر مارنا شروع کردو۔ واہ۔ کیا خوب اصول جنگ ہے، اور کیا شجاعت بہادری، چاروں طرف سے پتھر برسنے لگے۔ عابس نے جو یہ دیکھا اپنی زرہ اور خود و بکتر اتار کر پھینک دیا اور تلوار لئے فوج کے اوپر ٹوٹ پڑے سینکڑوں آدمی انکے سامنے سے بھاگتے نظر آتے تھے۔ آخر فوج نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

عمرو بن قرظہ انصاری نے پہلے تو حملہ کیا اور تلوار چلائی پھر امام کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے جو تیر آتا اسی

اپنے اوپر روک لیتے اور جو وار ہوتا خود سپر بنجاتے تھے آخر زخموں سے چور ہو گئے۔ امام کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا "کیوں فرزند رسول میں نے فرض کو ادا کیا؟ حضرت نے فرمایا" ہاں تم جنت میں میرے آگے جاؤ گے۔ رسول خدا کو میرا سلام پہونچا دینا اور کہنا کہ میں بھی عنقریب آتا ہوں۔

یہ سنکر بہادر جانباز جوش میں بھر گیا۔ دشمنوں کی فوج میں گھس گیا اور قتل ہوا۔

جون ابوذر غفاری کے حبشی غلام تھے! امام ؑ نے ان سے فرمایا کہ تمھیں میں خصوصیت سے اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ اسلئے کہ تم ہمارے ساتھ راحت کیلئے تھے۔ اب ہماری وجہ سے کوئی ضرورت نہیں کہ تم مصیبت میں مبتلا ہو۔"

با وفا غلام نے کہا:۔

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ راحت کے زمانہ میں تو میں آپ کے یہاں کھا پیا جاؤں اور سختی میں آپ کا ساتھ چھوڑ دوں، خدا کی قسم میرے جسم سے بدبو آتی ہے اور میرا حسب و نسب پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے۔ آپ اپنے صدقہ میں مجھے بھی جنت کا مستحق بنوا دیجئے تو میری بو خوشبو ہو جائے۔ میرا حسب شریف ہو جائے میرا رنگ سفید ہو جائے بخدا میں آپ سے جدا نہ ہونگا جبتک یہ سیاہ خون آپکے پاکیزہ خون میں مل نہ جائے۔"!

یہ کہکر بہادر غلام میدان جنگ میں آیا اور یہ رجز پڑھنا شروع کی۔

کیف تری الکفار ضرب الاسود	بالسیف ضربا عن بنی محمد
اذب عنھم باللسان وبالید	ارجو بہ الجنۃ یوم المورد

ذرا کافر دیکھیں تو ایک سیاہ غلام کی شمشیر زنی کو اولاد رسول ص کی حمایت میں۔ میں زبان سے اور ہاتھ سے برابر ان کی نصرت کروں گا اور اس سے روز قیامت بہشت کا امیدوار ہوں۔"

جنگ کی اور شہادت حاصل کی! امام کے دل میں غلام کے الفاظ اثر کر گئے تھے۔ آپ لاش پر تشریف لائے اور ہاتھ اوٹھا کر یہ دعا کی کہ اللھم بیض وجھہ وطیب ریحہ واحشرہ مع الابرار وعرف بینہ وبین محمد وال محمد۔ "پروردگار اس کے چہرہ کو روشن کر دے اور اسکی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کر دے اور اسے اچھے آدمیوں کے ساتھ محشور فرما اور اس میں اور محمد وآل محمد کے درمیان شناسائی قرار دے"۔

امام زین العابدین کا بیان ہے کہ جب بنی اسد شہداء کو دفن کرنے قتلگاہ میں آئے تو جون کے جسم سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔"

غلام ترکی

یہ امام حسین ع کا غلام تھا اور واضح نام تھا حافظ قرآن تھا میدان جنگ میں آکر یہ رجز پڑھی۔

البحر من طعنی وضربی یصطلی	والجو من سھمی ونبلی یمتلی

اذا احساامی فی یمینی ینجلی   ینشق قلب الحاسد المبجل

"سمندر میں میرے نیزہ و شمشیر کی گرمی سے آگ لگ جائے اور فضا میرے تیروں کی پرواز سے مملو ہو جائے جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چمکتی ہی مغرور حاسد کا دل شگافتہ ہو جاتا ہے"۔

یہ غلام جب لڑ کر زخمی ہوا اور زمین پر گرا تو امام سرہانے آئے اپنا رخسارہ اُس غلام کے رخسارہ پر رکھ کے گریہ فرمانے لگے۔ غلام نے آنکھ کھولی اور امام کی اس عزت افزائی کا مشاہدہ کیا لبوں پر مسکراہٹ آئی اور روح جسم سے مفارقت کر گئی۔

یہ سلوک جو امام نے اس غلام کے ساتھ کیا ہی بہت سے عزیزوں کے ساتھ بھی نہ کیا ہوگا۔

سب سے آخری شخص طبری کی تصریح کے موافق جو شہید ہوئے وہ سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی تھے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ۔ سوید نے جنگ کی اور زخموں سے چور بیہوش ہو کر گرے یقین کیا گیا کہ وہ ختم ہو گئے مگر اُن میں سانس باقی تھی۔ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے اور یہ آواز بلند ہوئی کہ قتل الحسینؑ۔ سوید کو غش سے افاقہ ہوا۔ ایک چھری اُن کے پاس موجود تھی انھوں نے اُس چھری سے قریب کے بعض لوگوں پر حملہ کیا اور دشمنوں نے پھر ہجوم کر کے انھیں قتل کر دیا۔

دوسرے اصحاب حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ کی زیارت ناحیہ میں اور اس زیارت میں جو اول رجب کیلئے وارد ہوئی ہے بہت سے دیگر اصحاب کا تذکرہ ہے اور اُن کو سلام مخصوص کے ساتھ ممتاز کیا گیا ہے مگر اُن کی جنگ کے خصوصی واقعات پورے طور پر محفوظ نہیں ہیں۔

انکے نام اور جہانتک اُن کے متعلق معلومات حاصل ہیں ہم انشاء اللہ اس حصہ میں درج کرینگے جو اصحاب کے حالات سے مخصوص قرار دیا جائیگا۔

مجموعی تعداد جہانتک یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے شہدائے کربلا کی تعداد بحیثیت مجموعی ۷۲ سے زیادہ تھی۔ پچاس تو وہی تھے جو حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

ممکن ہے کہ ان کے علاوہ وہ شہداء جو جنگ کرکے شہید ہوئے وہ بہتر ہی ہوں مگر اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میں جہانتک یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں شہداء کی تعداد سو سے زیادہ اور دو سو سے کم ہے۔ اصحاب میں کچھ وہ تھے جو مکہ معظمہ سے ساتھ آئے تھے اور زیادہ تر وہی لوگ تھے جنھوں نے کوفہ سے حضرت کو دعوت دی تھی اور جناب مسلم کی بیعت بھی کی تھی اور پھر صورت حال کے تبدیل ہو جانے سے وہ کوفہ کے حالات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور آخر انھوں نے کربلا میں آکر اپنی جان نثار کی۔

اور اسی لئے میں کوفہ والوں کی وفاداری کو سید الشہداء کے معاملہ میں ہرگز مشکو

نظر سے نہیں دیکھتا ہوں۔ کوفہ کے وہ جان نثار اور بہادر جو درحقیقت سید الشہدا کو بلوانے والے تھے اُن میں سے جو جو پہونچ سکے وہ کربلا پہونچے اور اپنی جان کی نذر پیش کی۔

میں نے "قاتلان حسینؑ کا مذہب" میں بھی اس پر تبصرہ کیا ہے اور حالات اصحاب میں بھی اس پر روشنی ڈالنے کا ارادہ ہے بعض لوگ وہ بھی تھے جو کوفہ سے عمر سعد کی فوج میں شریک ہو کر آئے تھے اور جبتک گفتگوے صلح ہوتی رہی وہ فوج عمر سعد میں رہے لیکن جب لڑائی ٹھن گئی اور صلح کی امید بالکل قطع ہو گئی تو وہ فوج عمر سعد سے نکلکر امام کی خدمت میں آگئے مشہور طور پر اسکی مثال میں صرف حُر بن یزید ریاحی کو پیش کیا جاسکتا ہے مگر ایسے متعدد آدمی تھے۔ انکا بھی تذکرہ میں حالات اصحاب کے سلسلہ میں کروں گا۔

اصحاب حسینؑ نے جس بلند جگری، جس جواں مردی جس ثبات و استقلال کیساتھ جان دی ہے وہ دنیا میں یادگار رہے۔ اس کی قدر امام عصرؑ نے یہ کی کہ زیارت کے سلسلہ میں نام بنام ان پر سلام کیا۔ اور اُن سب کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا۔

بابی انتم و امی طبتم وطابت الارض التی فیھا دفنتم وفزتم واللہ فوزاً عظیما فیالیتنی کنت معکم فافوز معکم:-

"میرے ماں باپ تم پر فدا۔ پاک و پاکیزہ ہے تم اور پاک ہوئی وہ زمین جہاں

تم دفن ہوے۔ تم بجد اعظیم درجہ پر فائز ہوے۔ کاش ہیں بھی تمھارے ساتھ ہوتا اور اسی درجہ پر فائز ہوتا"۔

ہم بھی برابر یہ آرزو کرتے ہیں اور یہی کلمہ زبان پر جاری کرتے ہیں مگر کیا ہم اپنے دل میں وہی جذبۂ معرفت وہ اخلاص عقیدت وہی قوت عمل وہی فرض شناسی بھی پیدا کرنے پر طیار ہیں جو اصحاب حسینی میں موجود تھی؟

چھٹا باب ۶

عزیزوں کی باری

شہید اوّل

شبیہ پیغمبر حضرت علی اکبر ع

اب تک اصحاب تھے جو اپنے امام اور آقا زادوں کی حفاظت کر رہے تھے انھوں نے دکھلا دیا کہ جب تک وہ زندہ رہے ان میں سے کسی کا بال بیکا نہیں ہوا مگر اب؟ اب بس حسینؑ تھے حسینؑ کے فرزند تھے اور حسینؑ کے بھائی بھتیجے تھے۔ میں نے "اسوہ حسینی" کے سلسلہ میں اس صورت حال کی نزاکت پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ کیا حسینؑ خاص

اپنی اولاد کو محفوظ رکھتے اور پہلے بھائی کی اولاد چچا کی اولاد اور دوسرے عزیزیں کو کٹوا دیتے؟ ہرگز نہیں حسینؑ نے سب سے پہلے اپنے جوان فرزند علی اکبر کو جو ہو بہو رسولؐ کی تصویر تھا میدان جنگ میں جانے کی اجازت دی۔

امامؑ کے دل پر اسوقت کیا گذر رہی تھی۔ اُس کو الفاظ سے بیان نہیں کیا جا سکتا آپ نے اپنے ہاتھ بارگاہ خدا میں بلند کئے اور کہا:۔

اللّٰھم اشھد علی ھٰؤلاء القوم	خداوندا گواہ رہنا ان لوگوں کے ظلم پر
فقد برز الیھم غلام اشبہ	کہ اب جا رہا ہے ان کی طرف وہ نوجوان
الناس خلقا وخلقا ومنطقا	جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے
برسولک کنّا اذا اشتقنا	رسولؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے
الی نبیّک نظرنا الی وجھہ	جب ہم تیرے پیغمبر کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کا چہرہ دیکھ لیتے تھے۔

علی اکبر میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھنا شروع کیا۔

انا علی بن حسین بن علی نحن و رب البیت اولی بالنبیّ

تا اللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

"میں ہوں علی حسینؑ کا بیٹا اور علیؑ کا پوتا۔ ہم بخدا سب سے زیادہ حقدار ہیں رسولؐ کے۔ ہرگز خدا کی قسم ہم میں حکومت نہیں کر سکتی زنا زادہ کی اولاد"

یہ رجز نہیں ہے تبلیغی تقریر ہے۔ اس میں اتنے مختصر الفاظ میں پورے طور سے

اسباب و علل جنگ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

اس میں اپنی ولایت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے اور حکومت وقت کے تسلیم کرنے سے اپنے انکار کو ظاہر کیا گیا ہو"۔

طبری نے نصرف اتنا لکھا ہے کہ علی اکبر نے کئی حملہ کیے۔ بحار میں ہے۔ فلم یزل یقاتل حتی ضج الناس من کثرۃ من قتل منہم علی اکبر نے اتنی جنگ کی کہ دشمن کثرتِ مقتولین کی وجہ سے چیخ اٹھے۔

اس جنگ میں جوان مجاہد کو زخم بھی آ گئے تھے۔ پیاس کا التہاب بہت بڑھ گیا، اپنے باپ کے پاس آخری رخصت کو آئے اور کہا پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے اور لوہے کے بوجھ نے مجھے گرانبار بنا دیا ہے۔ کیا بھلا کہیں سے تھوڑا پانی بھی ہو سکیگا جس سے مجھے جنگ کی طاقت پھر آ جاتی"! امام کو اپنے فرزند کی اس تمنا کے نہ پورا ہو سکنے کی جتنی بھی تکلیف ہوتی کم تھی۔

آپنے اپنی انگوٹھی علی اکبر کو دی کہ اسے دہن میں رکھو اور جا کر دوبارہ جنگ کرو مجھے امید ہے کہ اب تم اپنے جد بزرگوار کے ہاتھ سے ایسے جام سے سیراب ہو گے جس کے بعد پھر کبھی پیاس محسوس نہ ہوگی۔

علی اکبر دوبارہ میدان میں آئے۔ رجز پڑھا حملہ کیا اور پھر بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا مرۃ بن منقذ بن نعمان عبدی نے کہا "اگر اب کی مرتبہ اس جوان نے حملہ کیا اور میری طرف سے گذرا تو میں بھی اس کے باپ کو اس کے غم میں مبتلا کر دونگا"!

ایسا ہی ہوا۔

علی اکبرؑ نے جب حملہ کیا مرہ پاس آیا اور نیزہ سینہ پر لگایا۔ علی اکبرؑ گھوڑے سے زمین پر گر گئے اور دشمنوں نے گرد ہجوم کر کے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

خیمہ حسینیؑ میں اس حادثہ نے تہلکہ ڈال دیا۔ مگر امام کا استقلال دیکھنے کے قابل تھا۔ اُنھوں نے بس اتنا کہا کہ

قتل اللہ قوماً قتلوک یا بنی ما اجرأھم علی الرحمٰن وعلی رسولہ وعلی انتھاک حرمۃ الرسول علی الدنیا بعدک العفا۔

خدا فنا کرے اُس جماعت کو جس نے تجھے قتل کیا اے میرے فرزند کتنی جراتیں بڑھ گئیں ان لوگوں کی خدا اور اسکے رسولؐ کے مقابلہ میں۔ تیرے بعد دنیا کی زندگی پر خاک ہے۔

مگر سب سے زیادہ تکلیف دہ امر حسینؑ کیلئے اس وقت اہل حرم کا اضطراب تھا زینب دہ زینبؑ جنکی نسبت مشہور ہے کہ علی اکبرؑ کی پرورش بھی اُنھوں نے ہی کی تھی اس وقت مضطرب ہو کر علی اکبر کی لاش پر آگئی تھیں اور وہ کہہ رہی تھیں۔

یا حبیباہ یا ثمرۃ فواداہ یا نور عیناہ

آتے ہی وہ لاش علی اکبرؑ سے لپٹ گئیں حسینؑ آئے اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر سمجھاتے ہوئے خیمہ میں لے گئے۔

واہ رے استقلال واہ رے ثبات قدم۔ اب آپ میدان میں آئے اور نوجوانوں نے

بنی ہاشم کے جو ابھی تک موجود تھے کہا " بڑھو اپنے بھائی کی لاش اٹھاؤ " سب نوجوان آگے بڑھے انھوں نے علی اکبرؑ کی لاش کو لاکر اس خیمہ کے آگے لٹا دیا جو جنگ کے موقع پر بطور مرکز سپاہ قرار دیا گیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بچے اسوقت گھبرا کر خیمہ سے باہر آگئے، بے رحم دشمن کی فوج کو موقع مل گیا عمرو بن صبیح صیدائی نے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو تیر لگایا جو بچہ کی پیشانی کی طرف آیا بچہ نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ دیا تیر نے ہاتھ کو پیشانی کے ساتھ چھید دیا۔ کسی دوسرے نے بڑھ کر نیزہ لگایا اور قتل کر دیا۔

دوسرے بعض چھوٹے بچے بھی اسی صورت سے قتل ہوئے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وحشیانہ بیرحمی کے نمونے کربلا کے علاوہ کسی واقعہ میں پیش آئے ہوں۔

ساتواں باب

قاسم بن الحسنؑ کی یادگار شہادت

حسینؑ کربلا میں بڑے بڑے اہم اسلامی فرائض کے عملی نمونے پیش کر رہے تھے انھوں نے اسوقت عبادت کیلئے ایک شب کی مہلت مانگی جب کسی اور کو

عبادت کا خیال نہ آسکتا تھا۔ اُنھوں نے اس قلیل تعداد میں نماز خوف کے اصول پر عمل کر کے دکھلایا جب کوئی اور اس اصول پر عمل کر نہیں سکتا تھا۔ اُنھوں نے اس اس طرح اتمام حجت کے منازل طے کئے، جس طرح کوئی طے کر نہ سکتا تھا اُنھوں نے ایسے سخت مواقع پر اپنے اصحاب اعزا اور اہل حرم کے ساتھ حقوق انسانیت کے اصول کو ملحوظ رکھا جب کوئی ملحوظ نہ رکھ سکتا تھا۔

یہی صورت ہے ایک اہم اسلامی فرض یعنی وصیت پر عمل کرنے کی اہمیت کو آپ نے اس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا جس طرح کسی دوسرے سے ممکن نہ تھا۔

میں اکثر لکھ چکا ہوں اور پورے طور سے واضح کر چکا ہوں کہ ائمہ معصومین اپنی روزمرہ کی زندگی اور طرز عمل میں اسباب ظاہری کے پابند تھے اور جبتک کوئی خاص سبب اظہار معجزہ و کرامات کی صورت کا نہو وہ علم باطن کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور نہ اُس پر عمل کرتے تھے۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ ان دونوں بھائیوں کی محبت آپس میں ویسی ہی تھی جو دنیا کے بھائیوں کیلئے کامل نمونہ بن سکتی ہے۔ محبت کے رشتوں میں قربت اولاد کی باہمی شادی سے ہوتی ہے اور بہر حال شادی کیلئے جس طرح کی بھی اخلاقی و روحانی خصوصیتوں کی ضرورت ہے وہ ایک امام کے تربیت یافتہ فرزند کے واسطے ایک امام کی تربیت یافتہ دختر سے زیادہ نہیں مجتمع ہو سکتے۔

ایک لڑکے کا باپ اور لڑکی کا چچا اُسے ہر طرح سے آرزو اور تمنا بھی ہوتی ہے کہ

وہ لڑکی جو بھتیجی ہونے کے لحاظ سے مثل اسکی اولاد کے تھی دوسری حیثیت سے بھی اُس کی لڑکی کے مثل نہ ہو جائے۔

بااسباب تھے جنکے لحاظ سے امام حسنؑ نے آخری وقت اپنے چھوٹے بھائی امام حسینؑ سے یہ وصیت کی تھی کہ اُن کے بڑے فرزند حسن مثنیٰ کا عقد اُنکی بڑی بھتیجی کے ساتھ اور چھوٹے فرزند قاسم کا عقد اُن کی چھوٹی بھتیجی کے ساتھ کیا جائے۔

امام حسینؑ نے بھی اپنے بھائی کی اس آخری وصیت کو منظور کر لیا تھا اور اس طرح یہ وصیت اُن کے لئے نافذ اور واجب العمل ہو گئی تھی۔

فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے جبتک غیر معمولی اسباب پیدا نہ ہوں شادی کا زمانہ وہی ہے جب پسر و دختر دونوں سن تمیز کو پہنچ جائیں اور بالغ ہو جائیں۔

امام حسنؑ کی وفات کے موقع پر قاسمؑ بہت کمسن تھے۔ اسکے بعد دس برس امام حسینؑ نے مدینہ میں خاموش زندگی بسر کی اور قاسمؑ آپ کی تربیت میں مثل اولاد کے رہے حسن مثنیٰ کی عمر اُسوقت جوانی کے حدود میں تھی اسلئے اُنکی شادی کر دی گئی مگر قاسمؑ کی عمر اُسوقت تک تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ ان حالات میں ظاہری اسباب کے لحاظ سے شادی کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ہے اور وصیت کے نفاذ میں تعجیل کی کوئی ضرورت نہیں اسلئے کہ نہ اُسکا موقع آیا ہے اور نہ وقت تنگ ہوا ہے۔

اب وہ موقع آیا کہ جب امامؑ نے سفر عراق کیا۔ تمام مخصوص اعزاؑ آپ کے ساتھ تھے۔ متعلقین بھی ہمراہ تھے۔ آپ کی صاحبزادیاں جو اکثر مورخین کی تحقیق کی بنا پر چار تھیں ان میں سے ایک بیماری کے سبب سے مدینہ میں چھوڑ دی گئی تھیں لیکن تین آپ کے ساتھ موجود تھیں قاسم بھی آپ کے ہمراہ تھے ۔ اولاد کے بعد اگر درجہ ہے تو بھتیجوں ہی کا ہے اور قاسم کا حضرتؑ کمسن اور یتیم ہونے کی بنا پر اس درجہ خیال کرتے تھے کہ اتنا خیال اولاد کا بھی شاید نہ فرماتے ہوں ۔

سلسلہ شہدا میں میدان جنگ جانے والوں میں طبری وغیرہ کے بیان کے مطابق علی اکبر کے بعد قاسم بن الحسن ہی ہیں ۔

قاسم نے امام سے اجازت مانگی اور انتہائی اصرار کے ساتھ مانگی علی اکبرؑ کو میدان جنگ بھیجنے میں امامؑ کی جانب سے ذرا بھی توقف نہ ہوا لیکن قاسم کی اجازت پر امامؑ نے اس درجہ تامل فرمایا کہ ظاہری اسباب سے قاسم کو مایوسی ہو گئی اور وہ محزون و مغموم ہو کر خیمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے ۔

مگر امام حسنؑ کے ہاتھ کا ایک تعویذ جو بازو پر بطور وصیت نامہ کے بندھا تھا اُسے کھول کر پڑھنے کا خیال آیا دل کو ڈھارس ہوئی ۔ اس میں آج ہی کے دن کی پیشینگوئی تھی اور قاسمؑ کو اپنی جان نثار کرنے کی ہدایت تھی ۔

قاسم کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور انھوں نے اسی کو اپنے چچا کی خدمت میں بطور سفارش اجازت پیش کیا جس کے بعد امامؑ کو یقین ہو گیا کہ اب قاسم رک

نہیں سکتی۔ بیشک ان ظاہری اسباب کی بنا پر اُس وصیت کے نفاذ کا وقت مضیق
ہو گیا تھا جو حضرت امام حسنؑ نے اپنے بھائی کو کی تھی۔
حسینؑ اسلامی شریعت کے محافظ تھے اور اسلام میں عقدِ نکاح کوئی رسمی تقریب
نہیں ہے جسمیں کسی جشن کی ضرورت ہو اور عیش و عشرت کے ہنگام کا انتظار ہو۔
شادی ایک آئینی رشتہ ہے جو شرعی قانون کے تحت میں قائم ہوتا ہے اور حسینؑ
کے لیئے وہ اُسوقت ایک فرض کی حیثیت رکھتا تھا جسے ادا کرنا ضروری تھا۔
شادی بیشک عقلی حیثیت سے اُنہی مقاصد کیلیئے ہے جن کیلیئے طرفین کی زندگی
کی اُمید بہت ضروری ہے لیکن ان عقلی مصالح کا لحاظ تو اسوقت سے تعلق رکھتا
ہے جب وصیت ہو رہی تھی اور اُس وقت ہم نے بتایا کہ اسبابِ ظاہری کی بنا پر وہ
کسی طرح عقل کے خلاف نہیں تھی۔
مگر وصیت ہو چکنے اور اُسکے قبول ہونیکے بعد اب اسمیں صرف وصیت کے پورا
کرنے اور اُس فرض کو ادا کرنے کا پہلو رہ جاتا ہے جس کے ساتھ کسی اور عقلی مصلحت
کی ضرورت نہیں ہے۔
امام اگر ایسا نہ کرتے تو ایک بہت بڑا اسلامی فریضہ تشنۂ عمل رہجاتا۔
اسلئے امام نے اُس تعویذ کو دیکھنے کے بعد اب قاسم کو روکنے کا محل نہ پایا لیکن
آبدیدہ ہو کر یہ فرمایا کہ اچھا تم اپنے والد بزرگوار کی وصیت پر عمل کرو۔
مگر مجھے تو بھائی کی ایک وصیت ہے۔ اُسکو مجھے پورا کرنا چاہیئے۔"

یہ فرما کر قاسمؑ کا ہاتھ پکڑا اور خیمہ کے اندر لائے تبرکات کے صندوق میں سے بزرگوں کا لباس نکالا اور وہ قاسم کو پہنا کر اپنی اُس صاحبزادی کا جو قاسمؑ کو منسوب تھیں عقد قاسم کے ساتھ پڑھ دیا۔"

یقیناً یہ عقد کوئی تقریب خوشی کی حیثیت تو رکھتا نہیں تھا۔ اس نے حقیقۃً مصیبت کی عظمت اور اسکی شدت میں اضافہ کر دیا تھا عورتیں ایسے حالات سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں اور اس لئے بیوہ حضرت حسنؑ اور زوجہ حضرت سید الشہداء پر جتنا بھی اثر ہوتا کم تھا جبکہ معلوم تھا کہ جس کی ابھی شادی ہو رہی ہے وہی ابھی مرنے جاتا ہے۔

یہ عوام کی سخت غلطی اور لفظوں کی کوتاہی ہے کہ وہ قاسم کو ایک شب کا داماد اور فاطمہ کبریٰؑ کو ایک شب کی دلہن کہیں اور اسے تکیہ کلام بنالیں حالانکہ حقیقۃً وہ چند لمحوں کا رشتہ تھا جو دنیا میں موت کے ہاتھوں قطع ہو گیا۔

قاسم کو شہادت کا شوق تھا اسلئے وہ دیر تک ٹھر نہیں سکتے تھے سب سے رخصت ہوئے اور عروس سے بھی رخصت ہوئے۔ جو اُس وقت اگرچہ عروس تھی مگر اسے پہلے سے قاسم کے ساتھ وہ انس و محبت موجود تھی جو ایک گھر میں رہنے والے چچازاد بھائی اور بہن میں کمسنی کے عالم میں ہونا چاہیئے۔ وہ ابھی اپنے بڑے بھائی علی اکبر کو رو چکی تھی اور اب قاسم کو مرنے جاتے دیکھتی تھی اور وہ خود عروسی کے معنی بالکل نہ جانتی ہو تب بھی وہ اپنی ماں اور چچی کو دیکھ رہی تھی کہ وہ کسی خاص طرح قاسم کی موت کو مبری ہو رہی

سمجھ رہی ہیں اور اس پر رو رہی ہیں اور اسلئے جو کچھ بھی صدمہ و اندوہ اس کمسن صاحبزادی کو ہو تا وہ کم تھا۔

لیکن قاسم پر ان باتوں کا کوئی خاص اثر نہ تھا انھیں جنگ کا خیال تھا اور یہی کا حوصلہ بنی ہاشم کے بچے تلواروں سے کھیل کر بڑے ہوتے ہیں۔ بچپنے میں انسان جس چیز کی طرف بھی متوجہ ہو اس کا خیال بہت قوی ہوتا ہے۔ قاسم احساس کر رہے تھے کہ میرے بڑے بھائی علی اکبر نے ابھی خونریز جنگ کی ہے اور دشمنوں کے حوصلے پست کر دئے ہیں۔ مجھے بھی جا کر اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے چاہئیں۔ وہ اس کا تصور نہیں کرتے ہونگے کہ میں کمسن ہوں اسلئے بھائی کا میرا کوئی مقابلہ نہیں بلکہ ان کا ولولہ یہی ہوگا کہ جو بھائی نے کیا اتنا ہی میں بھی کر دوں اور ان سے کم نہ رہوں۔ اسکے علاوہ اس لشکر نے میرے بھائی کو قتل کر دیا پھر مجھے ان کے خون کا انتقام لینا چاہیئے۔

میرے بابا نے اسی موقع کی تو وصیت کی تھی۔ پھر مجھے اپنے باپ کی روح کو بھی تو خوش کرنا ہے۔

بچے ایسے نادر اور غیر معمولی مواقع سے غمگین ہونے کے بجائے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ قاسم سمجھ رہے تھے کہ اس وقت مجھے دہری عزت حاصل ہو گئی امام نے مجھے اپنا داماد بنا لیا۔ مجھے آپ نے اپنے ہاتھ سے کپڑے پہنائے ہیں مجھے اسوقت پورے طور سے حق شجاعت ادا کرنا چاہیئے اور لوگ یہ تو کہیں

کہ چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کم نہیں رہا۔

یہ تمام خیالات ہونگے جن کی بنا پر قاسم کے دل پر نہ تو ماں پھوپھی اور دوسرے اہلحرم کے رونے کا اثر ہوا نہ عروس کے ضد کی طرف کوئی توجہ ہوئی۔ بے رخصت ہوے اور سب سے رخصت ہو کر باہر چچا کی خدمت میں گئے کہا اب تو کوئی انتظار نہیں رہا۔ اب تو مجھکو اجازت میدان کارزار کی دیجیے! امام نے شاید بھائی کو یاد کر کے اسوقت بہت گریہ فرمایا۔ قاسم کے عمامہ کو اپنے ہاتھ سے باندھا اور اس کے دونوں گوشے سینہ پر لٹکائے۔ انکے پیراہن کو بصورت کفن چاک کر دیا۔

قاسم میدان جنگ میں آئے۔ چہرہ مثل ماہ شب چاردہ کے تھا۔ یہ رجز پڑھنے لگے۔

ان تنکرونی فانا ابن الحسن | سبط النبی المصطفی والموتمن
هٰذا حسین کالاسیر المرتهن | بین اناس لا سقوا صوب المزن

"اگر تم مجھے نہیں جانتے تو اب معلوم کر لو کہ میں حسنؑ کا فرزند ہوں اور پیغمبر کی اولاد میں ہوں۔ کیا غضب کی بات ہے کہ یہ حسین تمہارے درمیان مثل قیدی کے محصور ہو گئے ہیں۔ خدا کرے ابر باراں اس جماعت کو سیراب کبھی نہ کرے"۔

قاسمؑ نے اپنی عمر کے لحاظ سے غیر معمولی خونریز جنگ کی۔

آخر کار دشمنوں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر گرے اور اپنے چچا کو مدد کیلیے آواز دی حسینؑ کو بھتیجے کی مدد کیلیے پہونچنا تھا انھوں نے غضبناک شیر کی طرح حملہ کیا

اور فرزند رسول کے حملہ سے فوج میں تہلکہ پڑ گیا۔ افسوس ہے کہ اس ہنگامہ میں قاسم کی لاش کو نہایت مصیبتناک صدمہ پہونچ گیا۔ آخر فوج منتشر ہوئی اور امام لاش قاسمؑ پر پہونچے۔

انتہائی غم زدہ کے ساتھ قاسم کی لاش کو بھی لاکر اسی جگہ لٹایا جہاں علی اکبر کی لاش پہلے سے موجود تھی۔ وہی شادی وہ تھی جس سے قاسمؑ کی شہادت نے ایک مخصوص یادگار حیثیت اختیار کر لی اور جس کو سوچکر حضرت جاوید مرحوم کو ارشاد فرمانا پڑا۔

دو گھروں کی اک مرجانے دیربادی ہوئی ۔۔۔ حضرت قاسمؑ کی شادی بھی عجب شادی ہوئی

آٹھواں باب

شہدائے بنی ہاشم کی تفصیل

بنی ہاشم کے شہدا میں بھی کامل ترتیب قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ جہاں تک کہ معلوم ہوتا ہے اصحاب کی شہادت کے بعد سب سے پہلے حضرت علی اکبرؑ شہید ہوئے۔

آپ کی شہادت سے ہاشمی نوجوانوں میں ایک خاص جوش پیدا ہو گیا تھا اور انھوں نے بوقت واحد حملہ کر دیا اولاد مسلم و جعفر میں سے چند بہادر اُس وقت قتل ہو گئے۔ پھر قاسم بن الحسن کی شہادت ہوئی اور سب سے آخر میں اولاد علیؑ بن ابیطالبؑ یعنی برادران حضرت سید الشہداء سلام اللہ علیہ جن میں سب سے آخری شہید حضرت ابو الفضل العباسؑ ہیں اور آپ کے اوپر مجاہدین کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

پھر حضرت سید الشہدا نے جہاد کیا اور آپ کی شہادت ہوئی۔

اس لحاظ سے اس باب کو بھی حضرت قاسم کی شہادت کے پہلے قائم کرنا چاہیے تھا لیکن چونکہ بہر حال یہ باب غیر مرتب حیثیت رکھتا ہے اسلئے جہاں تک مستند طریقہ سے شہدائے بنی ہاشم کے اسماء مل سکے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

اولاد مسلم و عقیل

(۱) عبد اللہ بن مسلم بن عقیل۔ سابق میں حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد اس بچہ کی شہادت کا تذکرہ ہو چکا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کمسن تھے اور بغیر جنگ کے شہید ہوئے مگر بحار میں اُنکی رجز اور جنگ موجود ہے مگر میرے خیال میں پہلی روایت درست ہے۔

(۲) محمد بن مسلم بن عقیل۔ ابصار العین فی انصار الحسینؑ میں ہے کہ :۔

حمل بنو ابی طالب بعد قتل عبد اللہ حملۃ واحدۃ فصاح بھم الحسین صبرا علی الموت	عبد اللہ کے قتل ہونے کے بعد ابو طالب کی اولاد نے ایک ساتھ حملہ کر دیا امام نے آواز دی ہاں میرے چچا کے فرزندو

یا بنی عمو منی فوقع فیهم محمد بن مسلم قتلہ ابو مرہم الازدی ولقیط بن ایاس الجہنی۔	ہوتے مرحلہ کو سر کرو چنانچہ ان میں سے محمد بن مسلم شہید ہو کر گر گئے۔ ان کو ابو مرہم ازدی اور لقیط بن ایاس جہنی نے قتل کیا۔

(۳) عبدالرحمٰن بن عقیل۔ ابن شہر آشوب کا بیان ہے۔

تقدم فی حملۃ آل ابی طالب بعد الانصار وھو یقول "وہ آل ابو طالب والے حملہ میں جو انصار کے بعد تھا بڑھے اور یہ کہہ رہے تھے:

ابی عقیل فاعرفوا مکانی   من ھاشم وھاشم اخوانی

"میرے باپ عقیل ہیں۔ تم کو جو میری قرابت ہے، ہاشم سے اسکو جاننا چاہیئے اور معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام بنی ہاشم میرے بھائی ہیں"۔

اسکے بعد جنگ کی اور سترہ آدمی قتل کئے پھر دشمنوں نے گھیر کر ان کو قتل کیا۔ انکے قاتل عثمٰن بن خالد بن اشیم جہنی اور بشر بن حوط ہمدانی تھے"۔

(۴) جعفر بن عقیل بن ابی طالب انھوں نے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا الغلام الابطحی الطالبی   من معشر فی ھاشم من غالب

ونحن حقا سادۃ الذوائب

میں مکہ کا رہنے والا طالب کے خاندان کا ہاشم کی نسل سے اور غالب کے گھرانے

سے ہوں۔ یقیناً ہم ہی تمام قبائل کے سردار ہیں"۔
پندرہ آدمی فوج مخالف کے قتل کئے اور بشر بن حوط کے ہاتھ سے قتل ہوئے

اولادِ جعفرؑ

(۱ و ۲) عون و محمد فرزندان عبداللہ بن جعفر۔

ان دونوں مجاہدوں کی نسبت مرثیہ نگاروں میں اور انکی وجہ سے عام اشخاص میں یہ روایت شہرت پا گئی ہے کہ یہ دونوں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے فرزند، امام حسینؑ کے بھانجے تھے۔

اسکے برخلاف اہل علم کی زبان سے اکثر یہ سنا گیا اور خواص کے طبقہ میں یہ مشہور ہو گیا کہ یہ روایت بالکل غلط ہے اور یہ دونوں حضرت عبداللہ بن جعفر کے صاحبزادے تھے مگر جناب زینبؑ کے بطن سے نہیں تھے حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں درست نہیں ہیں حقیقۃً محمد تو جناب زینب کے بطن سے نہیں تھے، اُن کی والدہ کا نام تھا خوصاء بنت حفصہ بن ثقیف بن ربیعہ بن عائذ بن ثعلبہ بن حکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل خوصاء کی ماں تھیں ہند بنت سالم بن عبدالعزیز بن محرم بن سنان بن مولہ بن عامر بن مالک بن تیم اللات بن ثعلبہ ہند کی ماں تھیں میمونہ بنت بشر بن عمرو بن حارث بن ذہل بن شیبان۔

مگر عون جناب زینب ہی کے بطن سے تھے۔ بیشک ان دونوں صاحبزادوں کی نسبت مرثیہ گویوں کی یہ روایت کہ وہ بہت کمسن تھے درست نہیں معلوم ہوتی

اگرچہ اُن کے سن کے متعلق کوئی قطعی حد بندی نہیں کی جاسکتی ہے مگر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوانی کے حدود میں تھے اور جناب قاسم کی طرح سے کمسن نہیں تھے۔

روزِ عاشور پہلے محمد میدان جنگ میں گئے تھے۔ اُنھوں نے یہ رجز پڑھا۔

اشکو الی اللہ من العدوان	فعال قوم فی الردیٰ عمیان
قد بدلوا معالم القرآن	و محکم التنزیل و التبیان

"خدا سے شکوہ کرتا ہوں دشمنوں کے ظلم و جفا کا۔ اس قوم کے افعال کا جو اندھی بنی ہوئی ہلاکت کے گڑھے میں جارہی ہے۔ انھوں نے قرآن کے نمایاں احکام کو بدل دیا اور کھلی ہوئی قرآنی آیتوں میں تبدیلی کی"۔

جنگ کی اور دس آدمی قتل کئے آخر عامر بن نہشل تمیمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے

ان کے بعد عون بن عبداللہ میدان میں آئے اُن کا رجز یہ تھا۔

ان تنکرونی فانا ابن جعفر	شہید صدق فی الجنان ازہر
یطیر فیہا بجناح اخضر	کفیٰ بہذا شرفا فی المحشر

اگر مجھے نہ جانتے ہو تو پہچان لو کہ میں جعفر کی اولاد ہوں وہ جعفر جو حق کے راستہ میں شہید ہوئے جن کو خدا نے بہشت میں بال و پر عطا فرمائے کہ وہ مثل ملائکہ کے پرواز کریں۔ آنکے شرف کیلئے اتنا بہت کافی ہے۔

تین سوار اور اٹھارہ پیادے قتل کرنے کے بعد عبداللہ بن قطنہ طائی کی تلوار سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

بعض کتب میں عون و محمد فرزندان جعفر کی شہادت بھی کربلا میں مذکور ہے لیکن یہ درست نہیں ہے حقیقتاً عون اور محمد عبداللہ بن جعفر ہی کے فرزند تھے جو کربلا میں شہید ہوئے لیکن وہ عون و محمد جو ان کے چچا تھے وہ کربلا سے بہت قبل جنگ صفین میں اور عون اسکے بھی پہلے قتل ہو چکے تھے۔

نواں باب

قمر بنی ہاشم اور اُن کے بھائی

چار فرزند امیر المومنینؑ کے ام البنین فاطمہ بنت حزام کے بطن سے تھے

(۱) حضرت عباس بن علیؑ جو ان میں سب سے بڑے تھے۔

(۲) عبداللہ بن علی بن ابی طالبؑ۔

(۳) عثمان بن علی بن ابیطالبؑ۔

(۴) جعفر بن علی بن ابی طالب جو سب میں چھوٹے تھے۔

ان تینوں موخر الذکر بھائیوں کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ روز عاشور حالت یہ تھی کہ ہر شخص اپنے سے وابستہ انسان کو خود اپنے سامنے میدان میں بھیجتا تھا اور اُسے بطور تحفہ اپنے ہاتھ سے پیش کرتا تھا بھر خود آگے بڑھکر جان دیدیتا تھا عابس بن ابی شبیب کے واقعہ میں اسکی مثال دیکھ چکے اور اُن کے الفاظ بھی سن لیے

کہ انھوں نے اپنے غلام شوذب سے کہا :-

"میں چاہتا ہوں تمہاری مصیبت کو اٹھا کر اجر و ثواب کا مستحق بن لوں پھر خود میدان جنگ میں جاؤں"۔

خود حضرت سید الشہداء نے بھی کیا کہ جب تک کوئی بھی اصحاب رہا جو آپ کے سامنے شہید ہوا اس وقت تک آپ نے خود اپنی جان نہیں دی۔

اس پر مفصل طور سے ہم نے "حسین اور اسلام" میں تبصرہ کیا ہے۔

جناب عباس نے بھی اسی طرح روز عاشورا اپنے بھائیوں کو یکے بعد دیگرے بلایا اور ایک ایک کو جنگ کیلئے بھیجا۔

سب سے پہلے آپ نے عبداللہ کو بلایا جو آپ کے بعد دوسرے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ فرمایا۔

تقدم یا اخی حتی اراک قتیلا و احتسبک فانہ لا ولد لک۔

"بڑھو بھائی آگے بڑھو تاکہ میں تمہیں قتل ہوتے اپنی آنکھ سے دیکھ لوں اور اپنے لئے سامان آخرت سمجھوں۔ کیونکہ تمہارے کوئی اولاد ہی نہیں"۔

ہمارے بیان کئے ہوئے نظام اور صورت واقعہ کو دیکھتے ہوئے اس آخری ٹکڑے کے معنی یہ ہیں کہ اگر تمہارے اولاد ہوتی تو تم اسکا انتظار کرتے کہ پہلے اپنے بیٹے کو اپنے سامنے قتل ہونے دو پھر خود جاؤ مگر تمہارے کوئی اولاد تو ہی نہیں جس کیلئے تم انتظار کرو تو جاؤ۔ خود ہی جاؤ میدان جنگ میں"۔

انتہائی کم عقلی سے کام لیا ہے جن لوگوں نے تمہارے کوئی اولاد نہیں ہے کے فقرہ کے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ تم پہلے قتل ہو جاؤ تاکہ میں تمہاری میراث حاصل کروں اور اس کو اپنی اولاد کے لئے بطور متروکہ چھوڑ جاؤں"۔

اس خود غرضی کی نسبت حضرت عباس کی طرف وہی دلیما ہے جو آپ کے مرتبہ سے واقف نہو اور پھر جبکہ الفاظ سے بھی سکا کوئی تعلق نہیں جیسے ارالک قتیلا واحتسبك" میں تم کو مقتول دیکھوں اور اسے اپنے لئے سبب اجر سمجھوں اسی کے بعد "فانہ لا ولد لک" اسلئے کہ تمہارے کوئی اولاد نہیں"۔ میراث ملنے کو گذشتہ کلام سے بھلا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ اگر معاذ اللہ حضرت عباسؑ کا یہ مقصد ہوتا بھی تو یہ بات کہنے کی نہیں تھی کہ تم کو میں پہلے اسلئے بھیجتا ہوں تاکہ تمہاری میراث کا مالک ہوں۔ انسان کی سمجھ میں جب بات نہ آئے تو کچھ نہیں۔ بہر حال یہ خیال بالکل غلط ہے اور حقیقی مفہوم کلام کا وہی ہے جس کا تذکرہ کیا گیا۔

عبداللہ میدان میں آئے اور جنگ کرنے کے بعد ہانی بن ثبیت حضرمی کی تلوار سے شہید ہوئے۔

اب جناب عباس دوسرے بھائی عثمان کی جانب متوجہ ہوئے اور انھیں میدان جنگ میں بھیجا عبداللہ آگے بڑھے اور جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ پھر تیسرے سب سے چھوٹے بھائی جعفر کی طرف رخ کیا اور کہا کہ "جاؤ

جیسے تمھارے دونوں بھائیوں کا صدمہ میں نے برداشت کیا ویسے تمھارا بھی برداشت کروں کیونکہ تم میں سے کسی کے بھی اولاد نہیں ہے۔"

جعفرؑ نے بھی جہاد کیا اور مدرجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

اب جس وقت کہ بھائیوں میں بھی کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جو امام کی نصرتِ کرے اور بنی ہاشم کے مجاہدین سب تمام ہو گئے تو اب حضرت ابوالفضل العباس امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ کی اجازت مانگی! امامؑ نے اپنے بھائی کو بہت حسرت کی نگاہ سے دیکھا اور فرمایا "تم تو میرے علمدار ہو!" عباسؑ نے عرض کیا "اب مجھ سے ضبط ممکن نہیں اور زندگی سے سیر ہو گیا ہوں"۔ امام نے فرمایا۔ "اچھا ارادہ ہی کر لیا ہے جنگ کا تو پانی کی فکر کرنا"

عباس اسکے پہلے بھی ایک مرتبہ عاشور کے قبل فرات پر جنگ کر کے پانی لا چکے تھے اور "سقا" کے لقب کے بھی مستحق ہوئے تھے اسوقت پھر انھوں نے مشک لی اور دشمن کی فوج پر حملہ کیا۔ اس طرح نہیں کہ گویا انھیں جنگ ہی منظور ہے۔ بلکہ اس طرح جیسے وہ نہر کا راستہ صاف کرنا چاہتے ہیں اور نہر پر جانا منظور ہے۔

علیؑ کے بیشہ کا شیر اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا۔ وہ نہر پر پہونچا بھی اور مشک کو پانی سے بھرا بھی۔ بیشک خود عباس پیاسے تھے اور بہت پیاسے۔ انھوں نے ہاتھ میں پانی کا چلو لیا مگر امام کی پیاس کا خیال آگیا۔ فوراً

چلو ہاتھ سے پھینکدیا اور پیاسے نہر سے نکل آئے۔ بھری ہوئی مشک دوش پر لئے خیمہ کی جانب روانہ ہو گئے مگر فوج عمر سعد جسے اپنی شکست کا غصہ بھی تھا اب پورے اجتماع کے ساتھ سدراہ ہوئی۔ عباسؑ کی آزادی جنگ میں باقی نہ تھی ان کے دوش پر مشک موجود تھی جس کے ساتھ وہ لڑ نہیں سکتے تھے۔ مگر واہ رے بہادر کہ اُس نے اُسی عالم میں جنگ کی۔ وہ جوش وخروش سے حملے کر رہے تھے اور ان کی زبان پر یہ شعر تھے۔

لا ارھب الموت اذا الموت زقا　　حتی اواری فی المصالیت لقی

انی انا العبّاس اغدو بالسّقا　　ولا اھاب الموت یوم الملتقی

"میں کبھی موت سے نہیں ڈرتا موت کتنے ہی نعرے لگائے جبتک کہ میں تلواروں کے سایہ میں زمین پر گر نہ جاؤں میں عباسؑ ہوں، مشک لیجاؤں گا اور ضرور لیجاؤں گا اور جنگ کے ہنگام میں موت کی کوئی پرواہ نہ کروں گا۔"

آخر دشمنوں نے احساس کر لیا کہ جبتک عباسؑ کے ہاتھ موجود ہیں کامیابی مشکل ہے حکیم بن طفیل طائی سنبسی نے کمینگاہ سے آکر داہنے ہاتھ پر تلوار لگائی۔ عباسؑ کو اپنی جان سے زیادہ علم کا خیال تھا۔ انھوں نے علم کو گرنے نہیں دیا بائیں شانہ پر لیا اور یہ کہا:۔

واللہ ان قطعتم یمینی　　انی احامی ابدا عن دینی

خدا کی قسم اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر دیا تو یہ نہ سمجھو کہ میں اب اپنے دین کی

حمایت نہ کروں گا۔ اس فرض کو تو میں ہمیشہ انجام دیتا رہوں گا۔
زید بن ورقا جہنی نے بائیں ہاتھ پر بھی تلوار لگائی اور اُسے قطع کر دیا۔ عباس نے علم کو
اپنے سینہ سے لگایا اس کے ساتھ قبیلہ تمیم کے ایک شخص نے سر پر ایک گرز لگایا
جس سے جناب عباسؑ زمین پر گر پڑے اور بلند آواز سے پکار کر کہا " بھائی میری
خبر لیجئے "۔

امام پر اس آواز کا کیا اثر ہوا؟ اسکا اظہار غیر ممکن ہے۔
وہ مثل باز شکاری کے جھپٹے اور زخمی بھائی کی لاش پر پہونچے دیکھا دونوں
ہاتھ قطع ہیں پیشانی شکستہ ہے۔ آنکھ پر تیر ہے زخموں سے چور ہیں! امام جھک گئے
اور سرہانے بیٹھ گئے یہانتک کہ شیر دل بھائی کی روح نے جسم سے مفارقت کی
اب کوئی اور نہیں تھا جس کا حسینؑ کو سہارا ہوتا وہ بھائی کی لاش سے اُٹھ
کھڑے ہوئے اور آگے بڑھے تلوار ہاتھ میں تھی۔ جوش و خروش کا عالم تھا داہنے
اور بائیں دشمن پر حملہ کر رہے تھے۔
اور تاریخ کے الفاظ یہ ہیں۔

يفرون بين يديه كما تفر المعزى اذا اشتد الذئب
"وہ اس طرح آپکے سامنے سے بھاگ رہے تھے جیسے بکریاں بھاگتی ہیں
اُسوقت جب بھیڑیا حملہ کرے "۔
اور امام کہہ رہے تھے۔

اين تفرون وقت قتلتم اخی ـــــ اين تفرون وقد فتتم عضدی

"اب بھاگتے کہاں ہو۔ تم نے میرے بھائی کو تو مار ڈالا ۔ بھاگتے کہاں ہو تم نے میرے بازو کو تو توڑ ڈالا"

اس کے بعد آپ بینے حقابہ پر آکر تنہا کھڑے ہو گئے ۔

ابصار العین میں صراحت کیا گیا ہے کہ :۔

كان العباس اخر من قتل من المحاربين لاعداء الحسين عليه السلام ولم يقتل بعده الا الغلمان الصغار من ال ابی طالب الذين لم يحملوا السلاح ۔

"عباس سب سے آخری شخص تھے جو دشمنان امام سے جنگ کر کے شہید ہوئے ۔ اُنکے بعد جو قتل ہوے وہ چھوٹے بچے آل ابو طالب میں سے تھے جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے"۔

دسواں باب

ششماہہ بچہ کی عظیم الشان شہادت

بچہ، بہت کمسن بچہ، شیر خوار بچہ، بے زبان بچہ عبداللہ نام تھا اور امامؑ نے چونکہ اپنے سب بچوں کا نام علی رکھا تھا۔ اسلئے علی اصغر بھی کہا جاتا تھا۔ شہید چھوٹا تھا مگر شہادت اسکی اتنی عظیم ہے کہ درحقیقت اگر کربلا میں یہ شہادت نہ واقع ہوتی تو اُس کی عظمت میں ایک بہت بڑی کمی ہو جاتی۔

ماں باپ کو چھوٹے بچوں سے انتہائی محبت ہوتی ہے! امام جب شہادت پر عازم ہو گئے تو درِ خیمہ پر آ کر اس بچہ کو دیکھنے کیلئے اہلِ حرم سے منگوایا۔

بچہ پیاسا ضرور تھا اور یقیناً بہت پیاسا تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ نے دشمنوں سے اُسکے لئے پانی مانگا۔ تاریخ کا بیان ہے کہ یہ بھی نہیں تھا بلکہ صرف آپ بچہ کو گلے سے لگائے ہوئے اُسے رخصت کر رہے تھے۔ مگر بے رحم دشمن کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا۔

زمین آسمان کانپ گئے۔ انسانیت نے فریاد کی۔ رحمدلی آٹھ آٹھ آنسو روئی

جب حرملہ بن کاہل اسدی نے تیر چلہ کمان میں جوڑا بچہ کی گردن پر لگایا اور بچہ اپنے باپ کی آغوش میں تمام ہوگیا۔

یہ حسینؑ کا آخری ہدیہ تھا جو خدا کی بارگاہ میں اس طرح پیش ہوا اور اب حسینؑ کیلئے صرف اپنی جان کا مرحلہ تھا جس کے طے کرنے کے لئے وہ بہت پہلے سے طیار تھے۔

علی نقی النقوی عفی عنہ

۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ